بد نصیب ہوٹل
اشتیاق احمد

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز
۱۳۷
بدنصیب ہوٹل
اشتیاق احمد

نام ناول ——— بدنصیب ہوٹل
بار اوّل ——— یکم دسمبر ۱۹۸۵ء
طابع ——— اشتیاق احمد
خوشنویس ——— محمد سعید نامدار
مطبع ——— زاہد بشیر پرنٹرز لاہور
سرورق ——— محمد جاوید چغتائی لاہور
طباعت سرورق ——— نور لے پرنٹرز لاہور
قیمت ——— چھ روپے
سالانہ قیمت ——— اڑھائی سو روپے

اشتیاق پبلی کیشنز
راجپوت مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور

حدیث شریف

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے عرش کو پیدا کیا تو اس پر نور سے یہ کلمہ لکھا (قلم کا طول اتنا تھا جتنا مغرب سے مشرق کا فاصلہ) البتہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، انہی کی وجہ سے اطاعت نہ کرنے پر مواخذہ کروں گا اور انہی کی وجہ سے (اطاعت کرنے پر) عطا کروں گا، ان کی اُمّت تمام اُمّتوں پر افضل ہے اور پھر ساری اُمّت میں ابوبکر رضی اللہ عنہ افضل ہیں —

(روایت کیا اس کو رافعی نے کنز العمال ص ۱۴۸، جلد ۶)

تشریح : معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام امتِ محمدیہ میں افضل ترین فرد ہیں — حالاں کہ وہ نبی نہیں ہیں، جس سے صاف ظاہر ہوا کہ اُمّت میں کوئی نبی نہیں ہو سکتا —

دو باتیں

****

السلام علیکم —

چند دن پہلے تھکا ہارا گھر پہنچا تو میرے بیٹے نوید نے ایک خوفناک خبر سُنائی — خبر یہ تھی — اس نے بھی ایک کہانی لکھی ہے — میں دھک سے رہ گیا، آنکھیں پھٹی کی پھٹی اور مُنہ کھُلا کا کھُلا رہ گیا، بلکہ اُوپر کا سانس اُوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا — بڑی مشکل سے کہا — ذرا سناؤ تو — اس نے کہانی سُنانا شروع کی اور میری حیرت بڑھتی چلی گئی —

چھوٹے بھائی کے مصنّف بن جانے کی اطلاع تو آپ تک پہنچ ہی چکی ہے — سُرخ لفافہ بھی آپ پڑھ چکے ہیں — ادھر نوید پَر تول چکا ہے — یہ سب باتیں صرف اور صرف ایک اشارہ کر رہی ہیں اور وُہ یہ کہ اب میرے ریٹائر ہونے کا وقت بہت قریب آگیا ہے —

میں نہیں جانتا — یہ خبر یا خبریں سُن کر آپ پر کیا گزرے گی، آپ خوشی سے پھولے نہیں سمائیں گے یا کیا کریں گے — جو کچھ بھی کریں، سوچ سمجھ کر کریں — کہیں ایسا نہ ہو، لینے کے دینے پڑ جائیں — مجھے تو پڑے ہوئے ہیں اپنے لالے — شکریہ!

اشتیاق

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ :

- یہ وقت نماز کا تو نہیں —
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا —
- کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں —
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا —
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا —

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں ، پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں ، پھر ناول پڑھیں — شکریہ !

مخلص : اشتیاق احمد

تیسری واردات

خون کی بہت سی چھینٹیں اُن کے کپڑوں پر گریں ۔ اس سے پہلے ٹھک کی آواز گونجی تھی ، پھر شیشے کی کوئی چیز نیچے گر کر ٹوٹ گئی ، اس کے ٹکڑے اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ ساتھ ہی ایک ہولناک چیخ بلند ہوئی ۔ اور اُن کے ساتھ والی میز پر بیٹھا ہوا آدمی دھڑام سے نیچے گرا ، اب وہ بُری طرح تڑپ رہا تھا ۔ وہ تڑپ رہا تھا اور یہ تینوں بُری طرح کانپ رہے تھے ، کیوں کہ ان کی زندگی میں بہت سے خوفناک اور ہولناک مناظر آئے تھے ، لیکن یہ منظر کسی طرح کم خوفناک نہیں تھا ۔ ابھی چند سیکنڈ پہلے ایک جیتا جاگتا ، موٹا تازہ صحت مند انسان جو ناشتے میں مصروف تھا ، اب فرش پر پڑا ایڑیاں رگڑ رہا تھا اور اس کے سر سے خون تیزی سے بہ رہا تھا ۔

ہوٹل کے ہال میں موجود تمام لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے ۔ خوف کا ایک عالم اُن سب پر طاری ہو گیا ، کسی کے منہ سے

ایک لفظ بھی نہ نکل سکا ۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے دم توڑ دیا ۔

ہال میں اب بھی کسی نے حرکت کرنے یا نکل جانے کی کوشش نہیں کی ، یوں لگتا تھا جیسے سب پر سکتہ طاری ہو گیا ہو ، آخر کار ہال میں ایک لرزتی آواز گونجی :

" اُف خدا ۔ تیسرا قتل ۔"

" تت ۔ تیسرا قتل ۔ کیا مطلب ؟" کئی آوازیں اُبھریں ۔

" قصبے میں جو لوگ نئے ہیں ، یہ واردات ان کے لیے پہلی ہی تو ہے ۔" ایک اور آواز اُبھری ۔

لوگوں کی نظریں آوازوں کی سمت میں اُٹھ گئیں ۔ ایک درمیانے قد کا بھاری بھرکم آدمی کاؤنٹر کی طرف بڑھ رہا تھا ۔ اس کے پیچھے ایک لمبے قد کا پتلا دبلا آدمی تھا ۔ دوسرا جملہ اس نے کہا تھا ۔

" ہاں ، لیکن ہمیں اس سے غرض نہیں کہ ہوٹل میں کون سا گاہک نیا ہے اور کون سا پرانا ۔ ہمارے لیے سب گاہک برابر ہیں ۔ ٹھہرو ۔ پہلے تو میں پولیس کو فون کر دوں ۔ بیرونی دروازہ تو بند کیا جا چکا ہے ۔ ازاقی ۔ ذرا تم پچھلے دروازوں کو دیکھ آؤ ۔"

" او کے سر ۔ آپ فکر نہ کریں ۔ میں ان پر تالے ڈال

آتا ہوں ۔ انسپکٹر صاحب نے پچھلی مرتبہ یہی ہدایات دی تھیں ۔"

" ٹھیک ہے ۔ جلدی کرو ۔"

درمیانے قد والے نے کہا اور پھر کاؤنٹر پر رکھا فون اپنی طرف گھسیٹ کر نمبر گھمانے لگا ، جلد ہی اس نے کہا :

" ہیلو انسپکٹر مشکور علی منظور صاحب ۔"

یہ کہہ کر اس نے ہال پر ایک نظر ڈالی ، پھر بولا :

" ہیلو ۔ جی ہاں ۔ آپ کا خادم بول رہا ہوں ۔ اس بدنصیب ہوٹل کا مالک سیٹھ جلوان ۔ جلدی آ جائیے جناب ، تیسری واردات ہو چکی ہے ۔ جی ۔ جی ہاں ۔ واقعی ہو چکی ہے ۔ م ۔ میرا ہوٹل ، اب اس کے تباہ ہونے میں کیا کسر رہ جائے گی ۔ جناب ۔ میں ڈوب گیا ۔ جی بس آپ فوراً پہنچیے ۔"

محمود ، فاروق اور فرزانہ نے پورے ہال پر ایک نظر ڈالی ۔ ہال میں بہت کم میزوں پر لوگ موجود تھے ۔ ریسیور رکھ کر سیٹھ جلوان نے پھر ہال پر نظر ڈالی اور ایک ایک آدمی کو توجہ سے دیکھنے لگا ، پھر اس کی نظریں لاش پر اٹک گئیں ۔ سر سے بہنے والا خون فرش پر کافی دور تک پھیل گیا تھا ۔

" تو یہ تیسری واردات ہے ۔" فرزانہ بڑبڑائی ۔

" لیکن ہمارے سامنے پہلی ہے ۔" فاروق بولا ۔

" ہاں ! اور بہت ہولناک ہے ۔ میں نے ایک منظر بالکل

صاف دیکھا ہے ، اگر میں تمھیں وہ بتا دوں تو شاید تم مجھے پاگل خیال کرنے لگو گے۔" محمود نے دبی آواز میں کہا۔

" ہم وعدہ کرتے ہیں ، پاگل نہیں خیال کریں گے۔" فاروق مسکرایا۔

" ہاں ! واقعی۔ یہ وعدہ کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔" فرزانہ نے اس کی تائید کی۔

" فرزانہ ! تم بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئیں ، دماغ تو نہیں چل گیا۔"

" ابا جان نے اوپر بہت دیر لگا دی۔ جب انھوں نے ہمیں نیچے بھیجا تھا ، اس وقت تو وہ قریب قریب تیار ہی تھے۔"

" کچھ اور کرنے لگ گئے ہوں گے۔" محمود نے کہا۔

" ہاں تو تم ہمیں کیا بات بتانے والے تھے ؟"

" بتانے والا کہاں تھا۔ تم دونوں کو وہ بات بتائی ہی نہیں جا سکتی۔"

" ارے ارے۔ ایسا بھی کیا۔" فرزانہ نے بوکھلا کر کہا۔

اسی وقت شیشے کی دیوار کے دوسری طرف پولیس کی جیپیں آ کر رکیں۔ شاید پولیس اسٹیشن نزدیک ہی تھا۔ سیٹھ بھلوان تیر کی طرح دروازے کی طرف لپکا :

" کھولو دروازہ۔ انسپکٹر صاحب آ گئے۔" اس نے چوکیدار سے

کہا۔

اس نے دروازہ کھول دیا۔ سب سے پہلے ایک انسپکٹر اندر داخل ہوا ، اس کے پیچھے اس کے ماتحت تھے۔

" آئیے انسپکٹر صاحب آئیے۔ ویسے میرا خیال ہے۔ مجھے اب یہ ہوٹل بند کر دینا چاہیے۔"

" لیکن اس میں آپ کا کیا قصور۔" انسپکٹر مشکور نے پورے ہال کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

" قصور تو میرا نہیں ہے ، لیکن پہلے یہ ہال ناشتا کرنے والوں سے کھچا کھچ بھرا ہوتا تھا۔ اب یہاں اُلّو بولتے ہیں۔ اور اس واردات کے بعد تو شاید اُلّو بھی۔"

" ہوں۔ خیر آپ فکر نہ کریں۔ آج میں قاتل کو بچ کر نہیں جانے دوں گا۔ وہ ضرور کرکٹ کا کھلاڑی معلوم ہوتا ہے۔" انسپکٹر مشکور نے پُر خیال لہجے میں کہا۔

" جی۔ کیا مطلب۔ کرکٹ کا کھلاڑی۔ یہ اندازہ آپ نے کیسے لگا لیا۔" سیٹھ بھلوان حیران ہو کر بولا۔

" اس طرح کہ وہ شیشے کی ایش ٹرے کو اس مہارت سے اٹھا کر مارتا ہے کہ سر پھوٹ جاتا ہے۔ خیر۔ پہلے میں لاش کا معائنہ کر لوں ، پھر کارروائی شروع کرنی ہے۔ کافی دیر لگ جائے گی۔" یہ کہ کر انسپکٹر مشکور ہال کی طرف بڑھا اور

بلند آواز میں بولا :

"سب لوگ نہایت سکون سے اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھے رہیں، آپ کو جلد از جلد فارغ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔"

"ابھی ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ بہت دیر لگ جائے گی۔" فاروق سے رہا نہ گیا۔

انسپکٹر مشکور نے اُس پر ایک تیز نظر ڈالی اور پھر بُرا سا مُنہ بناتے ہوئے کہا :

"ہمیں یہاں واقعی بہت دیر لگ جائے گی۔ آپ لوگوں کو نہیں۔"

اب وہ لاش کے قریب آیا۔ عین اُسی وقت باہر سے آواز آئی :

"آج کا تازہ اخبار۔ قاتل کا سنسنی خیز اعلان۔"

اس کے ساتھ ہی اخبار والا چھ سات اخبار چوکیدار کے ہاتھ میں تھما کر چلتا بنا :

"قاتل کا سنسنی خیز اعلان۔ کیا مطلب؟" انسپکٹر مشکور نے چونک کر کہا، پھر وہ جلدی سے کاؤنٹر کی طرف آیا، اتنی دیر میں چوکیدار اخبار کاؤنٹر تک لا چکا تھا۔ انسپکٹر نے اخبار لیا اور بلند آواز میں خبر پڑھی :

"قصبے میں کل تیسرا قتل ہو گا۔ اور معمول کے مطابق

پولیس قاتل کا سُراغ نہیں لگا سکے گی۔ وہ سر پیٹ کر رہ جائے گی۔ ساتھ ہی قصبے کی دیواروں پر کچھ لڑکے ایک اشتہار لگاتے نظر آئیں گے۔ وہ اشتہار بھی پڑھنے کے قابل ہو گا۔"

انسپکٹر مشکور نے خبر پڑھ کر کیا سنائی، ہال میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ انسپکٹر مشکور بھی سکتے کے عالم میں کھڑا رہ گیا۔ اسی وقت باہر سڑک پر ایک لڑکا ایک اشتہار لگاتا نظر آیا۔ راہ چلتے لوگ اس اشتہار کے پاس کھڑے ہو گئے۔

"جھنڈو خان۔ اس لڑکے سے ایک اشتہار لے آؤ۔" انسپکٹر مشکور نے ایک کانسٹیبل سے کہا۔

"بلکہ لڑکے کو بھی بُلا لیں۔ اس سے پوچھیں تو سہی۔ اشتہار اسے کیسے ملے ہیں۔" فاروق بلند آواز میں بولا۔

انسپکٹر مشکور نے فاروق کو پھر تیز نظروں سے گھورا، لیکن پھر جلدی سے جھنڈو خان سے بولا :

"ٹھیک ہے۔ لڑکے کو بھی لے آؤ۔"

"لڑکے کو بلانا تھا تو مجھے گھورنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"مہربانی فرما کر خاموش رہیں۔ آپ کی باتیں سُن کر اُلجھن ہونے لگی ہے۔ کہیں میں آپ کو تفتیش میں شامل نہ کر لوں۔"

"وہ تو خیر آپ ہوٹل کے ہال میں موجود سب لوگوں کو

ہی کریں گے۔" محمود نے جواب دیا۔

"یک نہ شد دو شد" انسپکٹر مشکور جلا اٹھا۔

اسی وقت جھنڈو خان لڑکے کو لیے اندر داخل ہوا، اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

"بھئی ڈرنے کی ضرورت نہیں، یہ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔" فاروق نے اسے دلاسا دیا۔

"کیا واقعی؟" لڑکا بولا۔

"ہاں بالکل واقعی۔ یہ تو صرف اس اشتہار کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

"اچھا اب آپ چپ بھی رہیے۔ ہاں اوئے لڑکے۔ تمہیں یہ پوسٹر کہاں سے ملے؟" انسپکٹر مشکور بولا۔

"رگو بابا نے دیے ہیں۔ اشتہار ہم ہمیشہ انہی سے لیتے ہیں۔"

"کیا مطلب۔ یہ رگو بابا کون ہے؟" انسپکٹر مشکور نے چونک کر کہا۔

"لیجیے۔ قصبے کے انسپکٹر ہیں اور رگو بابا کو نہیں جانتے۔" فاروق پھر بول اٹھا۔

"تو کیا آپ جانتے ہیں؟" انسپکٹر مشکور کے لہجے میں حیرت تھی۔

"نہیں! ہم لوگ تو دارالحکومت سے آئے ہیں۔ بالکل نئے ہیں یہاں۔ ہم کس طرح جان سکتے ہیں۔"

"اسی لیے خاموش نہیں بیٹھ رہے۔" انسپکٹر مشکور نے جل کر کہا۔

"کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دارالحکومت کے لوگ باتونی ہیں۔" محمود برا مان گیا۔

"یہ شاید آپ کے بھائی ہیں؟" انسپکٹر مشکور نے جواب دینے کی بجائے محمود سے سوال کیا۔

"آپ نے اتنا درست اندازہ کس طرح لگا لیا۔" فرزانہ کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"شکلیں دیکھ کر۔ ہاں تو آپ کا اپنے بھائی کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"وہی۔ جو آپ کا ہے۔ یہ حضرت واقعی بہت باتونی واقع ہوئے ہیں۔ خیر پہلے آپ اس لڑکے سے بات کر لیں۔" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"اوہ ہاں!" اس نے چونک کر کہا، برا سا منہ بنایا اور پھر لڑکے کی طرف مڑا:

"تو تمہیں قصبے کی دیواروں پر پوسٹر لگانے کے لیے رگو بابا سے ملتے ہیں؟"

"جی ہاں ! سب لڑکوں کو دہی دیتے ہیں۔"

"جھنڈو خان ۔ اس لڑکے کو ساتھ لے جاؤ اور رگو بابا کو یہاں لے آؤ ۔" یہ کہہ کر اس نے لڑکے کے ہاتھ سے سارے پوسٹر لے لیے ۔ موٹے موٹے حروف میں ان پر لکھا تھا :

"واردات کا یہ طریقہ کس قدر محفوظ ہے ۔ کیا آپ بھی کسی کو ختم کرنا چاہتے ہیں ۔ اگر ایسا ہے تو فوری طور پر مجھ سے رابطہ قائم کریں ۔ آپ کا کام بھی اسی مہارت سے کیا جائے گا ۔ کوئی آپ پر شک تک نہیں کر سکے گا ۔ رابطہ قائم کرنے کا طریقہ بھی سُن لیں ۔ ہوٹل افشاں کے مینجر کے پاس اپنے نام لکھوا دیں ۔"

"کیا !!!" سیٹھ جلوان پوری قوّت سے چلّا اُٹھا ۔

★

اس کی آواز نے فضا کو جھنجوڑ کر رکھ دیا ۔ خُود محمود ، فارُوق اور فرزانہ بھی حیرت زدہ رہ گئے ، کیوں کہ وُہ اس وقت ہوٹل افشاں میں ہی بیٹھے تھے ۔ اور سیٹھ جلوان ہی ہوٹل کا مینجر بھی تھا ۔ اب سب کی نظریں اس پر جمی تھیں اور

وہ تھر تھر کانپ رہا تھا ۔

"یہ ۔ یہ کیا مذاق ہے ۔ یہ شخص تو مجھے تباہ کرنے پر تُل گیا ہے ۔ پہلے اس نے میرے ہوٹل میں ایک بے گناہ شخص کو قتل کیا ، پھر دوسرے کو کیا اور اب تیسرے کو ۔ اس پر ستم یہ کہ اب اس نے اخبار میں بیان بھی دے دیا کہ آج تیسرا قتل ہو گا ۔ وہ بھی ہو گیا ۔ یہ بھی کہا کہ قصبے میں اشتہار لگائے جائیں گے ۔ وُہ بھی لگ رہے ہیں اور اس اشتہار میں لکھا ہے کہ قصبے کا کوئی آدمی اگر کسی کو قتل کرانا چاہے تو میرے ۔ پاس اپنا نام لکھوا دے ۔ یہ ۔ آخر یہ کیا ہے ۔"

"یہی تو ہم جاننے کی کوشش کر رہے ہیں ۔ کہ یہ کیا ہے ، آپ گھبرائیں نہ ۔ کم از کم ایک بات ثابت ہو گئی ہے اور وُہ یہ کہ یہ ساری سازش آپ کے خلاف ہے ۔"

"م ۔ میرے خلاف ، لیکن جناب کسی کو میرے خلاف اس قسم کی سازش کرنے کی کیا ضرورت پڑ گئی ۔ وُہ بھلا اس سازش سے کیا فائدہ اُٹھائے گا ۔"

"یہ سب کچھ معلوم کرنا ہمارا کام ہے ۔ آپ فکر نہ کریں ۔" انسپکٹر مشکور نے کہا ۔

"لل ، لیکن اگر میرے پاس کچھ لوگ آنا شروع ہو گئے تو میں کیا کروں گا ۔" سیٹھ جلوان نے بوکھلا کر کہا ۔

"کوئی آپ کے پاس اس غرض سے آ ہی نہیں سکتا۔ اس طرح تو وہ سامنے آ جائے گا اور ہم اسے گرفتار کر لیں گے۔" انسپکٹر مشکور نے کہا۔

"جی کیا فرمایا۔ جُرم سے پہلے گرفتار کر لیں گے۔" فارُوق نے حیران ہو کر کہا۔

"چلیے یوں ہی سہی۔ جرم کے بعد گرفتار کر لیں گے۔"

"لیکن آپ اس کے خلاف ثبوت کیا پیش کریں گے۔ فرض کیجیے، وُہ شخص موقعِ واردات سے کہیں بہت دُور چلا جائے اور کچھ لوگوں کے ساتھ وقت گزارے، وُہ لوگ اس کے بارے میں گواہی دیں کہ یہ تو اس وقت ہمارے ساتھ تھا تو آپ اس کے خلاف مقدمہ کس طرح قائم کر سکیں گے۔" محمود جلدی جلدی بولا۔

"اوہ!" اس کے مُنہ سے نکلا۔ اب وہ بُری طرح ان تینوں کو گھور رہا تھا۔ اس کے ماتحت اپنا کام کر چکے تھے۔ لاش کی تصاویر لی جا رہی تھیں۔ فرش پر خون اور شیشے کے ٹکڑوں کی تصاویر بھی لی جا رہی تھیں۔

"مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے یہ سب کیا دھرا آپ لوگوں کا ہے۔"

"جی ہاں! اس میں کیا شک ہے۔ مُلک میں جتنی بھی وارداتیں

ہو رہی ہیں، سب ہم ہی تو کر رہے ہیں۔" فرزانہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

اسی وقت قدموں کی آواز اُبھری۔ محمود، فارُوق اور فرزانہ نے مُڑ کر دیکھا:

"یہ کیا ہو رہا ہے بھئی؟" انھوں نے اپنے والد کی آواز سُنی۔

دُوسرے ہی لمحے وُہ حیران رہ گئے، کیوں کہ ان کے چہرے پر ریڈی میڈ میک اَپ نے حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر دی تھی۔

پہلا فون

"یہ۔ ابا جان ۔۔ یہ ایک لاش ہے ۔ اسے ابھی ابھی لاش میں تبدیل کیا گیا ہے۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"وہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں ۔ یہ ہوا کیسے ؟"

"کسی شخص نے شیشے کا وزنی ایش ٹرے اس کے سر پر پھینک مارا ۔ سر پھٹ گیا اور یہ بے چارہ مر گیا ، لیکن یہ اس ہوٹل میں پہلی واردات نہیں۔ تیسری ہے ۔ یہ دیکھیے ۔ اخبار۔" یہ کہہ کر محمود نے انسپکٹر مشکور کے ہاتھ سے اخبار کھینچ لیا اور ان کے سامنے کر دیا ۔ انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی اس پر نظریں دوڑائیں، اسی وقت کاؤنٹر کلرک چلا اٹھا :

"ارے ۔ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔"

"کیا دیکھ رہے ہو ۔ ہمیں بھی دکھاؤ۔" سیٹھ بھلوان بولا ۔

"ان صاحب کے چہرے کو پتا نہیں کیا ہو گیا ۔ یہ کل رات ہی تو یہاں پہنچے ہیں ۔ ان تینوں کے ساتھ۔" اس نے محمود،

فاروق اور فرزانہ کی طرف اشارہ کیا۔

"چہرے کو کیا ہو گیا ہے ۔ یہ کیا بات ہوئی۔"

"ان کا چہرہ بالکل بدلا بدلا لگ رہا ہے۔"

"اوہ ۔ میں سمجھا۔" انسپکٹر مشکور نے جلدی سے کہا اور ان کی طرف بڑھا :

"کیوں جناب ۔ کیا آپ میک اپ میں ہیں ؟"

"جی ۔ جی ہاں ۔ اس ہوٹل کے کاؤنٹر کلرک کو تو پولیس میں بھرتی ہونا چاہیے تھا۔" انسپکٹر جمشید بولے اور پھر منہ اور ناک میں سے دو ننھی منی چیزیں نکال کر جیب میں ڈال لیں ۔

"ارے ۔ پھر وہی چہرہ۔" کاؤنٹر کلرک کے منہ سے نکلا ۔

"آپ نے ایسا کیوں کیا ۔ میرا مطلب ہے ۔ میک اپ کی کیا ضرورت تھی ؟"

"شوقیہ ۔ اسے آپ اداکاری سمجھ لیں۔" وہ مسکرائے ۔

"تو آپ اداکار ہیں ؟" انسپکٹر مشکور جلدی سے بولا ۔

"میں نے یہ نہیں کہا ۔ بہرحال آپ اپنا کام کریں ۔ لوگ پریشان ہو رہے ہیں ، ہم سے تو بعد میں بھی باتیں کر لیجیے گا ، کیوں کہ ہم تو یہیں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

"ہوں ٹھیک ہے ، لیکن آپ فرار ہونے کی کوشش نہیں کریں گے۔" اس نے گویا خبردار کیا ۔

"ارے نہیں۔ ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ قرار ہونے کی۔" فاروق مسکرایا۔

"آپ کے یہ صاحب زادے میری سمجھ میں نہیں آئے۔"

"فکر نہ کریں۔ آ جائیں گے۔" انھوں نے اسے تسلی دی اور کرسی پر بیٹھ گئے۔

پولیس ایک ایک گاہک کی تلاشی لینے لگی۔ ساتھ ساتھ وہ انہیں ہوٹل سے باہر نکالتی جا رہی تھی۔ اس طرح بیشتر گاہک باہر نکال دیے گئے۔ اب ہال میں صرف وہ لوگ رہ گئے جو ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان چاروں کی تلاشی بھی لی گئی۔

"میری تلاشی تو آپ بلا وجہ لے رہے ہیں۔ میں تو اس وقت ہال میں موجود تھا ہی نہیں۔ ویسے کیا آپ نے شیشے کے ٹکڑوں پر سے انگلیوں کے نشانات اٹھوا لیے ہیں؟"

"ہاں آپ فکر نہ کریں اور مجھے سراغرسانی پڑھانے کی کوشش نہ کریں، آپ کے بچے یہ کام پہلے ہی بہت کر چکے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ آپ لوگ دن رات جاسوسی ناول پڑھتے رہتے ہیں۔"

"جی نہیں۔ آپ کا یہ خیال غلط ہے۔"

"پہلے میں آپ سے ہی باتیں کر لوں۔ آپ لوگ دارالحکومت سے آئے ہیں۔ کیا کرتے ہیں وہاں؟"

"میں سرکاری ملازم ہوں اور یہ پڑھتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے جواب دیا۔

"اس معاملے سے آپ کا کیا تعلق ہے؟"

"صرف دیکھنے کی حد تک تعلق ہے۔ ہم نے اس واردات کو ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔" محمود نے فوراً کہا۔

"کیا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا تھا جس نے ایش ٹرے اٹھا کر پھینکا تھا؟" اس کی نظریں محمود پر جم گئیں۔

"فاروق تم بتاؤ۔"

"اچھا۔ نہیں جناب۔ میں نے قاتل کو نہیں دیکھا تھا۔"

"یہ جواب کیا آپ نہیں دے سکتے تھے؟" انسپکٹر مشکور نے جل بھن کر کہا۔

"جی نہیں۔ دراصل ہم ہمیشہ کام کو تقسیم کر کے کرتے ہیں، اس طرح جلدی نبٹ جاتا ہے اور برکت بھی ہوتی ہے۔"

"برکت۔ یہ برکت یہاں کہاں سے آ کودی؟" اس نے جھلا کر کہا۔

"برکت کا کیا ہے۔ کہیں بھی کود سکتی ہے۔ ویسے ہمارا دین ہمیں یہی سکھاتا ہے کہ مل جل کر کام کرنے میں برکت ہوتی ہے۔ ایک سفر کے موقعے پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے گوشت پکانے کا ارادہ کیا۔ کسی نے جانور ذبح کیا، کسی نے اسے پکانا

منظور کیا۔ کسی نے آگ جلانے کا کام اپنے ذمے لیا۔ غرض ہر صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنے ذمے کوئی نہ کوئی کام لے لیا۔ خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگل سے لکڑیاں چُن کر لانے کا کام کیا۔ حالاں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم روکتے بھی رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رہنے دیں — آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں تکلیف کرتے ہیں، ہم کر لیں گے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات پسند نہ کی۔"

"خیر۔ برکت والی بات سمجھ میں آ گئی۔ آپ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ آپ نے قاتل کو نہیں دیکھا تھا۔ یہ بات ہے بھی درست، کیوں کہ یہ تو تیسرا موقع ہے۔ پہلے اور دوسرے موقعے پر بھی اسے کوئی نہیں دیکھ سکا تھا۔ نہ جانے وہ کون ہے۔ اور اتنی صفائی سے ایش ٹرے کس طرح پھینک مارتا ہے۔ دیکھیے نا — ایش ٹرے کو پہلے میز سے اٹھانا ہوتا ہے، پھر ہاتھ کو سر سے بلند کرنا ہوتا ہے۔ تب کہیں جا کر کوئی چیز اتنی طاقت سے پھینکی جا سکتی ہے، لیکن ہال میں کوئی شخص بھی یہ نہیں بتا پاتا کہ یہ کام فلاں آدمی نے کیا تھا۔ اور یہ اس کیس کا عجیب ترین پہلو ہے۔" انسپکٹر مشکور نے جلدی جلدی کہا۔

"ہوں۔ واقعی ہے تو یہ عجیب ترین پہلو ہی۔" محمود بڑبڑایا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی جسے انسپکٹر جمشید نے صاف محسوس کیا۔

اسی وقت ہوٹل کا دروازہ کھُلا اور جھنڈو خان ایک جھاڑ جھنکاڑ قسم کے آدمی کو ساتھ لیے اندر داخل ہوا۔ اس کے بڑے بڑے بال اُلجھے ہوئے تھے، یوں لگتا تھا جیسے ان کی صفائی مہینوں سے نہ کی گئی ہو:

"یہی رگو بابا ہے جناب۔" جھنڈو خان نے دور سے ہی کہا۔

"ہوں۔ اسے نزدیک لے آؤ۔"

جھنڈو خان نے اس کی گردن پر ہاتھ رکھ کر ایک دھکا دیا۔ وہ بے چارہ لڑکھڑاتا ہوا انسپکٹر مشکور تک آیا۔

"واہ! نزدیک لانے کا طریقہ کتنا اچھا ہے۔" فاروق نے چہک کر کہا۔

"سارے راستے مجھے اسی طرح لایا گیا ہے۔ آخر میں نے کیا کیا ہے۔" رگو بابا نے کانپتی آواز میں کہا۔

"یہ پوسٹر تم دیواروں پر لگوا رہے ہو؟"

"جی ہاں! یہ میرا پیشہ ہے۔" اس نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"میں نے اس کام کے لیے کچھ لڑکے ملازم رکھے ہوئے ہیں، قصبے میں جب بھی کسی کو کوئی پوسٹر لگوانا ہوتا ہے، وہ مجھ تک پہنچا دیتا ہے اور میں ان لڑکوں میں تمام پوسٹر تقسیم کر دیتا ہوں۔ اس طرح میں روزی کماتا ہوں۔"

"ہوں۔ یہ اشتہار لگوانے سے پہلے پڑھ کر دیکھا تھا؟"

"نہیں جناب۔ میں پڑھا لکھا نہیں ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"سُنو۔ میں سُناتا ہوں۔" یہ کہ کر انسپکٹر مشکور نے اشتہار پڑھ کر اسے سُنایا۔ اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

"اس وقت تک قصبے میں اس پوسٹر نے کھلبلی مچا دی ہو گی۔ اور یہ سب کیا دھرا تمھارا ہے۔ تمھیں چاہیے تھا۔ یہ پوسٹر لگوانے سے پہلے پڑھوا لیتے اور پولیس کے پاس لے آتے۔"

"واقعی۔ یہ میری بہت بڑی غلطی ہے۔ اور یہ اس وجہ سے ہوئی کہ میں اَن پڑھ ہوں۔ اَن پڑھ ہونا بھی کس قدر غلط بات ہے۔" بوڑھے نے افسوس زدہ لہجے میں کہا۔

"خیر۔ آیندہ اسی طرح کیا کرنا۔ اب یہ بتاؤ۔ یہ پوسٹر تمھارے پاس کون لے کر آیا تھا۔ اس کا حلیہ کیا تھا؟"

"حلیہ۔ آپ کا مطلب ہے، اس کا ڈیل ڈول۔ ناک نقشہ کیسا تھا۔" رگو بابا نے جلدی سے کہا۔

"ہاں!" انسپکٹر مشکور نے بُرا سا مُنہ بنایا۔

"اس کا قد درمیانہ۔ جسم بھاری بھرکم سا تھا۔ قدرے موٹا نظر آتا تھا۔ رات کی تاریکی میں، مَیں اسے صاف طور پر نہیں دیکھ سکا۔ آنکھیں بھی موٹی موٹی۔ ناک بھی پکوڑا سی۔ چہرہ گول گول تھا۔" یہ کہتے وقت اس کی نظریں سیٹھ جلوان پر جا

پڑیں۔ وُہ بُری طرح اُچھلا اور پھر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے۔ تم مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو؟"

"وُہ۔ وُہ تو آپ ہی تھے جناب۔ جو رات مجھے پوسٹر دے گئے تھے۔"

"کیا!" انسپکٹر مشکور چلّا اُٹھا۔

"نہیں! یہ غلط ہے۔" سیٹھ جلوان دھاڑا۔

"لیکن سیٹھ جلوان صاحب رگو بابا نے جو حلیہ بتایا، وُہ آپ پر بالکل رفٹ بیٹھتا ہے۔ اور اس نے یہ حلیہ آپ کی طرف دیکھے بغیر بتایا ہے۔ آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

"صاف ظاہر ہے۔ یہ میرے خلاف ایک بہت گہرا جال ہے، میرے ہوٹل کا بیڑہ غرق کرنے کا منصوبہ ہے۔ نہ صرف ہوٹل کا بلکہ میرا بھی بیڑہ غرق کرنے کا۔ یہ پوری سازش میرے گرد گھوم رہی ہے۔ آپ خود محسوس کر سکتے ہیں؛ چنانچہ سازشی دماغ نے مجھ سے ملتا جُلتا کوئی آدمی ڈھونڈ لیا ہوگا۔"

"یہ آپ کا خیال ہے۔ خیر۔ ہم معلوم کر لیں گے کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ رگو بابا۔ تم جا سکتے ہو، آیندہ پوسٹر لگوانے سے پہلے پڑھوا ضرور لیا کرو۔ ورنہ اندر بند کر دوں گا۔"

"بہت بہت شکریہ جناب۔" رگو بابا نے کہا اور باہر کی طرف

دوڑ لگا دی۔

"ہاں جناب۔ اب آپ لوگ بتائیے۔ آپ کا اس معاملے سے کیا تعلق ہے؟" انسپکٹر مشکور ان کی طرف بڑھا اور ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"ہمارا تو ہیرے سے کوئی تعلق نہیں ہے جناب۔ ہم تو رات ہی دارالحکومت سے آئے ہیں۔ اور صاف ظاہر ہے، یہ وارداتیں یہاں پہلے سے شروع ہیں۔"

"ہوں۔ اپنے نام اور دارالحکومت کا پتا لکھوا دیں۔ اس سرکاری دفتر کا نام پتا بھی لکھوادیں جس میں آپ ملازمت کرتے ہیں۔"

"بہت بہتر۔ میں سب کچھ خود لکھے دیتا ہوں۔"

یہ کہ کر انھوں نے محمود سے نوٹ بک لی۔ اس کے ایک ورق پر جلدی جلدی کچھ لکھا اور انسپکٹر مشکور کی طرف بڑھا دیا۔

"میں اسے دیکھ لوں گا۔" انسپکٹر مشکور نے کاغذ لے کر جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

آدھ گھنٹے بعد پولیس لاش کو لے کر چلی گئی۔ اب ہال میں صرف وہ بیٹھے رہ گئے۔ ٹھہرے ہوئے دوسرے مسافر بھی اپنا سامان اٹھا کر جا چکے تھے۔ شاید ہوٹل کی بدنصیبی کا خوف ان پر سوار ہو گیا تھا:

"کیا آپ لوگ ہوٹل سے نہیں جائیں گے؟" سیٹھ جلوان نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"جی نہیں۔ ہم آپ سے دو دو باتیں کرنا چاہتے ہیں۔"

"کیا مطلب۔ کیسی دو دو باتیں؟"

"کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے خلاف سازش کرنے والا پکڑا جائے؟"

"میں اور یہ نہ چاہوں گا۔ ایک بار وہ میرے سامنے آجائے، میں اسے کچا چبا جاؤں گا۔" اس نے جلا کر کہا۔

"ایسا ہرگز نہ کیجیے گا جناب۔ ایک تو اُلٹا آپ مجرم بن جائیں گے، دوسرے آپ کے پیٹ میں بھی گڑ بڑ ہو گی۔" فاروق نے فوراً کہا۔

اس نے فاروق کو حیرت زدہ نظروں سے دیکھا، پھر بولا:

"آپ کا یہ بیٹا میری سمجھ میں نہیں آیا۔"

"ہاں! اس سے یہ شکایت اور لوگوں کو بھی ہے، لیکن آپ فکر نہ کریں۔ یہ بہت جلد آپ کی سمجھ میں آجائے گا۔"

"ہوں خیر۔ آپ کیا کہ رہے تھے؟"

"یہ کہ ہم قاتل کو پکڑ سکتے ہیں۔"

"اس سے اچھی بات بھلا کیا ہو سکتی ہے۔"

"تو پھر جوں ہی کوئی شخص اپنا نام اور پتا لکھوائے۔ آپ

ہمیں اطلاع دے دیں۔"

"تو۔ تو کیا پولیس کو اطلاع نہ دوں۔"

"پولیس کو بھی ضرور اطلاع دیں، لیکن ساتھ ہی ہمیں بھی بتا دیں، پھر دیکھیے گا۔ ہم اس سازش کو کس طرح بے نقاب کرتے ہیں۔"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ سازش آپ لوگوں کی ہی ہو۔" اس نے انھیں شک کی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر ایسا ہوتا تو پھر ہمیں اس کا نام معلوم کرنے کی کیا ضرورت ۔۔ جو آپ کو اپنا نام پتا لکھوائے۔"

"کیوں۔ ضرورت کیوں نہیں۔ سازش کرنے والے سے زیادہ اس اطلاع کی اور کسے ضرورت ہو گی۔" سیٹھ جلوان نے کہا۔

"ہوں۔ بات تو آپ کی بھی ٹھیک ہے۔ خیر آپ کی مرضی ہے، اگر آپ کو ہم پر شک ہے تو پھر بے شک ہمیں کچھ نہ بتائیں۔" وہ بولے۔

سیٹھ جلوان سوچ میں پڑ گیا، آخر بولا:

"ہوں ٹھیک ہے۔ میں آپ کو ضرور بتاؤں گا۔ چاہے کچھ ہو جائے۔"

"بہت بہت شکریہ۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور اوپر کا رخ کیا۔

اپنے کمرے میں پہنچتے ہی انسپکٹر جمشید دبی آواز میں بولے:

"ہاں محمود۔ تم کیا بات بتانے کے لیے بے چین ہو؟"

"ایک انتہائی حیرت انگیز بات۔ مجھے وہ بات خواب کی بات محسوس ہوتی ہے۔" محمود بولا۔

"پھر تو نہ ہی بتاؤ۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ٹھہرو فاروق۔ بتانے دو۔ میں نے ہال میں محمود کو بہت بے چین محسوس کیا تھا۔"

"جی ہاں۔ یہ ٹھیک ہے۔ دراصل بات یہ ہے اباجان کہ شیشے کا ایش ٹرے ایک خالی میز سے اٹھا تھا۔ مطلب یہ کہ اس میز پر کوئی گاہک نہیں بیٹھا تھا۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔ دماغ تو نہیں چل گیا۔" فرزانہ نے بھنا کر کہا۔

"میں جانتا تھا۔ تم لوگ یہی کہو گے، لیکن یہ تو دیکھو۔ اباجان نے میری بات پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔"

فاروق اور فرزانہ کی نظریں ان کی طرف گھوم گئیں۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ میں نے اعتراض نہیں کیا، لیکن تمھاری بات سن کر مجھے حیرت ضرور ہوئی ہے۔ ذرا وضاحت کرو۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"میری نظریں ایک خالی میز کی طرف تھیں۔ ہم آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ اچانک میں نے اس میز سے وزنی ایش ٹرے کو

خود بخود اُٹھتے دیکھا، پھر وُہ تیر کی طرح اس شخص کے سر کے پچھلے حصّے سے ٹکرا کر نیچے گرا اور ٹوٹ گیا۔ ادھر وُہ شخص گرا — اس کا سر بُری طرح پھٹ گیا تھا۔"

محمود کے الفاظ نے انھیں ساکت کر دیا —

★

"یہ تو ایسی بات ہو گئی جیسے کسی جادُوگر نے جادُو کے زور سے ایش ٹرے اُٹھایا ہو اور اس کے سر پر دے مارا ہو — یا کسی عامل نے اپنے قبضے میں کیے ہوئے جنّ سے یہ کام لیا ہو۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"ہاں! بالکل یہی نظر آتا ہے، لیکن ہمارے ذہن ان باتوں کو نہیں مانتے — یہ سو فیصد انسانی سازش ہے — اور وُہ اس طرح کہ پہلے تین آدمیوں کو اس طریقے سے ہلاک کیا گیا، پھر لوگوں کو ایک پوسٹر کے ذریعے یہ بتایا گیا کہ یہ سارا کیا دھرا ایک نامعلوم آدمی کا ہے اور وُہ اس محفوظ ترین طریقے سے لوگوں کو قتل کر سکتا ہے، کوئی اس پر شک نہیں کر سکتا — کوئی اس کا سُراغ نہیں لگا سکتا، اس طرح گویا وُہ شہرت حاصل کرنا چاہتا تھا — قصبے میں اس کی شہرت اب تک ہو چکی ہے — اب دیکھنا یہ ہے کہ آگے کیا ہوتا

ہے۔"

"انتہائی خوفناک — اس طرح تو ہم قاتل تک نہیں پہنچ سکتے — دیکھیے نا — وُہ قتل کرنے کے لیے نہ تو کوئی آلہ استعمال کرتا ہے، نہ ہاتھ پیر ہلاتا ہے — آخر ہم اس کے خلاف ثبوت کس طرح حاصل کر سکیں گے۔" محمود نے اُلجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"گویا اس مرتبہ ہمارا واسطہ ایک مشکل ترین معاملے سے آپڑا ہے۔" فارُوق بڑبڑایا۔

"خیر — ابھی یہ نہیں کہا جا سکتا، کیوں کہ جُرم جُرم ہی ہے — وُہ اپنے کچھ نہ کچھ آثار ضرور چھوڑ کر جاتا ہے — ہم کم از کم ایک بات جانتے ہیں اور وُہ یہ کہ قاتل اس ہال میں مُوجود تھا — اس نے اپنی کسی غیر معمولی طاقت سے کام لے کر ایش ٹرے اُٹھا مارا۔"

"ہوں — سوال یہ ہے کہ ہم کیا کریں — اس سلسلے میں کیا قدم اُٹھائیں —"

"آؤ — میں سوچ چکا ہوں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

وُہ کمرے کو تالا لگا کر نیچے اُترے — ہوٹل کا ہال سائیں سائیں کر رہا تھا — کاؤنٹر کلرک بیٹھا اونگھ رہا تھا اور سیٹھ جلوان ایک کرسی میں دھنسا خلا میں گھور رہا تھا — ان کے قدموں کی آواز سُن کر وُہ چونک اُٹھا —

"ہم ذرا باہر جا رہے ہیں — ایک ڈیڑھ گھنٹے تک لوٹ آئیں گے۔"

"اچھا!" اس نے کہا۔ ابھی وہ دروازے تک نہیں پہنچے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ ان کے اٹھتے قدم رک گئے۔ سیٹھ جھلوان اچھل کر کھڑا ہو گیا اور فون تک پہنچا۔ دوسرے ہی لمحے وہ فون سن رہا تھا۔ اور پھر اس نے مردہ ہاتھوں سے ریسیور رکھ دیا۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے پہلے تو ان کی طرف دیکھتا رہا، پھر اس کے منہ سے نکلا:

"پہلا فون مل گیا ہے۔"

رگو بابا

"پہلا فون۔ کیا مطلب؟" فاروق جلدی سے بولا۔

"پہلا شخص۔ جو کسی کو قتل کرانا چاہتا ہے، اس کا فون تھا۔"

"اوہ! اس نے اپنا کیا نام اور پتا بتایا ہے؟"

"اختر بخاری۔ کوٹ گڑھ ۱۱۳۔"

"آؤ بھئی۔ جلدی کرو۔ اس سے پہلے کہ پولیس اس تک پہنچے، ہم اس سے بات کر لیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور باہر نکل آئے۔ ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر وہ کوٹ گڑھ پہنچے۔ ۱۱۳ نمبر تلاش کرنے میں انھیں کوئی دقت نہ ہوئی۔ یہ ایک عالی شان کوٹھی تھی۔ محمود نے آگے بڑھ کر گھنٹی کا بٹن دبایا۔ دروازہ ایک منٹ بعد کھلا اور ایک ادھیڑ عمر آدمی کی صورت نظر آئی:

"اختر بخاری آپ ہی ہیں؟"

"جی ہاں۔ فرمائیے۔ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"آپ کس کو قتل کرانا چاہتے ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے ٹھہرے

ہوئے لہجے میں کہا۔

"جی - کیا فرمایا آپ نے؟"

"میں نے پوچھا ہے - آپ کس کو قتل کرانا چاہتے ہیں؟"

"یہ آپ کیا اوٹ پٹانگ باتیں کر رہے ہیں جناب؟" اس نے جھلا کر کہا۔

"یہ اوٹ پٹانگ باتیں ابھی پولیس بھی آپ سے کرے گی - تیار رہیں - کیا آپ نے ابھی تھوڑی دیر پہلے ہوٹل افشاں کے مالک سیٹھ جلوان کو فون نہیں کیا تھا - اپنا نام اور پتا لکھوا کر یہ نہیں کہا تھا کہ آپ کسی کو قتل کرانا چاہتے ہیں، لہذا اس نامعلوم آدمی کو اطلاع دے دیں؟"

"پتا نہیں آپ کیا باتیں کر رہے ہیں۔"

"ٹھہریے - پہلے میں آپ کو تفصیل سنا دوں۔"

یہ کہ کر انھوں نے پوری تفصیل سنا دی - اختر بخاری نے دروازے میں کھڑے رہ کر تمام باتیں سنیں، آخر اس نے کہا:

"اُف خدا - یہ میں کیا سن رہا ہوں - آئیے - اندر آجائیے۔"

وہ انھیں ڈرائنگ روم میں لے آیا - بیٹھنے کے بعد اس نے کہا:

"کیا آپ لوگ میری بات پر یقین کریں گے؟"

"یقین کرنے کی کوشش تو کر ہی سکتے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"ہوں - تو پھر سنیے - میں نے ہوٹل افشاں کے مالک کو قطعاً کوئی فون نہیں کیا اور نہ میں کسی کو قتل کرانا چاہتا ہوں - یہ ضرور میرے کسی مخالف کی شرارت ہے - اس نے میری طرف سے فون کر دیا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"جی ہاں! دیکھیے نا - اس قسم کا فون تو کوئی شخص بھی کسی کی طرف سے کر سکتا ہے۔"

"آپ - آپ ٹھیک کہتے ہیں، لیکن بہرحال آپ ایک کام تو کر ہی سکتے ہیں؟"

"اور وہ کیا؟" اس نے فوراً کہا۔

"وہ نامعلوم آدمی کسی نہ کسی طرح آپ سے رابطہ ضرور قائم کرے گا - اگر وہ آپ سے کسی جگہ ملاقات طے کرے تو آپ انکار نہ کریں۔"

"کیوں جناب - میں اس جھگڑے میں کیوں پڑوں - میں اس سے صاف کیوں نہ کہوں کہ میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں اور میں کسی کو بھی قتل وتل نہیں کرانا چاہتا۔"

"اوہو - آپ سمجھے نہیں - اسے یہ جواب دینے کی کوئی ضرورت نہیں - جو وہ کہے آپ سن لیں اور اس سے وعدہ کر لیں کہ آپ ویسا ہی کریں گے، پھر آپ مجھے اطلاع دے دیں - اس طرح ہم

اسے گرفتار کر سکیں گے۔"

" اوہ۔ اب میں سمجھا۔ کیا آپ کا تعلق پولیس سے ہے؟"

" یہی سمجھ لیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

" تب تو ٹھیک ہے۔ آپ شاید خفیہ پولیس والے ہیں۔ آپ اپنا فون نمبر لکھوا دیں، میں آپ کو اطلاع دے دوں گا۔"

" آپ مجھے۔"

ان کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔

" ایک منٹ جناب۔ ذرا میں دیکھ لوں۔ کون ہے۔ شاید میرے گھر والے آگئے ہیں۔ اپنے نانا سے ملنے گئے ہوئے تھے۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔ ایک منٹ بعد قدموں کی آوازیں ابھریں اور پھر یہ الفاظ ان کے کانوں سے ٹکرائے:

" اوہو۔ یہ آپ لوگ ہیں۔"

انھوں نے دیکھا۔ انسپکٹر مشکور اندر داخل ہو رہا تھا۔

" یہی وہ لوگ ہیں جناب۔ جو اس فون کے سلسلے میں مجھ سے ملنے آئے ہیں۔" اختر بخاری نے کہا۔

" کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

" انسپکٹر مشکور صاحب بھی مجھ سے وہی باتیں پوچھنے آئے

ہیں جو آپ۔ لہذا میں نے سوچا آپ لوگوں کی آپس میں ملاقات کرا دی جائے۔"

" تو آپ نے واقعی ہوٹل افشاں کے مالک کو فون نہیں کیا؟" انسپکٹر مشکور نے پوچھا۔

" جی نہیں۔ یہ میرے کسی مخالف کی شرارت ہے۔"

" لیکن اختر بخاری صاحب۔ یہ۔ یہ غور کر لیں۔ اگر آپ کا کوئی عزیز یا رشتے دار یا دوست ان دنوں اس پُر اسرار انداز سے ہلاک ہوا تو آپ کو گرفتار کر لیا جائے گا۔" انسپکٹر مشکور نے کہا۔

" یہ کیسے ہو سکتا ہے جناب! ہو سکتا ہے، یہ فون میرے کسی دشمن نے کیا ہو اور وہ اس نامعلوم آدمی کے ذریعے میرے کسی عزیز کو قتل کرا دے۔ تو کیا آپ مجھے گرفتار کر لیں گے۔"

انسپکٹر مشکور نے پریشان نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا، آخر بولا:

" خیر۔ یہ بعد میں دیکھا جائے گا کہ ہم کیا کریں گے اور کیا نہیں کریں گے۔ آپ محتاط رہیں اور اس آدمی کی طرف سے جوں ہی کوئی فون ملے۔ آپ ہمیں اطلاع دے دیں۔"

" تو کیا ہوٹل افشاں کا مالک میرے بارے میں اس نامعلوم آدمی کو بتا دے گا۔ آخر اسے بتانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ وہ یہ بات اپنے تک رکھ لے یا زیادہ سے زیادہ آپ تک پہنچا

دے۔"

"اس طرح مجرم گرفتار نہیں ہو سکے گا۔ ہم مجرم کو اس کی چالوں میں آکر ہی گرفتار کر سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بول پڑے۔

انسپکٹر شکور نے چونک کر ان کی طرف دیکھا:

"آپ میری سمجھ میں نہیں آئے جناب۔ میں نے کاغذ پر لکھے آپ لوگوں کے نام بھی پڑھے تھے۔ دفتر کا نام بھی آپ نے محکمہ سراغرسانی لکھا ہے۔ کہیں آپ محکمہ سراغرسانی کے انسپکٹر جمشید تو نہیں۔ اوہ ہاں۔ آپ نے بچوں کے نام بھی تو وہی لکھے ہیں۔ اُف۔ میری عقل پر پتھر پڑ گئے تھے شاید جو پہلے یہ نہ سمجھ سکا۔"

"گگ۔ کیا مطلب۔ یہ۔ یہ انسپکٹر جمشید ہیں۔" اختر بخاری نے بوکھلا کر کہا۔

"ہاں۔ اب مجھے یقین ہو چلا ہے۔ آپ جواب کیوں نہیں دے رہے جناب۔"

"آپ کا اندازہ درست ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اوہ! تب تو اس کیس کے سلسلے میں ہمیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"ہاں! ہم نے جو پریشان ہونا شروع کر دیا ہے۔" فاروق بولا۔

"کیس واقعی بہت پیچیدہ اور پُراسرار ہے۔ ابھی تک میں کوئی

اندازہ نہیں لگا سکا۔ اس نامعلوم آدمی نے سیٹھ بھلوان کو ابھی تک فون کیا یا نہیں۔"

"ہم تو اس کا فون سنتے ہی ادھر چلے آئے تھے۔ آپ کو کیسے اطلاع ملی تھی؟"

"سیٹھ صاحب کے ذریعے ہی۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کمال ہے۔ ہم سے پہلے اس نے آپ کو اطلاع دی۔"

"اپنا اپنا طریقہ کار ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"میں ان سے معلوم کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر انسپکٹر شکور نے فون پر ہوٹل افشاں کے نمبر گھمائے۔ سلسلہ ملنے پر اس نے کہا:

"ہیلو سیٹھ صاحب۔ انسپکٹر شکور بول رہا ہوں۔ اس نامعلوم اور پُراسرار آدمی کی طرف سے تو ابھی تک فون موصول نہیں ہوا۔"

یہ کہہ کر وہ دوسری طرف کی بات سننے لگا اور پھر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا تو دوسرا جا رہا تھا:

"کیوں۔ کیا کوئی نئی سُنی ہے؟"

"ہاں! اس پُراسرار آدمی نے سیٹھ بھلوان کو فون کیا تھا۔ اس نے اسے دھمکی دی ہے کہ اب اس کا ہوٹل کھنڈر میں تبدیل ہو کر رہے گا، کیوں کہ اس نے پولیس کی مدد کرنے کا پروگرام بنا لیا ہے۔"

"اوہ — تو اسے یہ اطلاع بھی مل گئی کہ سیٹھ جلوان نے پہلے ہمیں اطلاع دی ہے۔"

"جی ہاں!"

"پھر تو ہمیں اس کے ہوٹل کی حفاظت کا بھی بندوبست کرنا پڑے گا — آپ اس سلسلے میں فوری اقدام کریں — ہم بھی ہوٹل پہنچتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔"

"اور جناب اختر بخاری — جوں ہی اس کا فون ملے — فون پر وہ جو کچھ کہے — آپ ہمیں اطلاع دے دیں۔"

"مم — میں ایسا کس طرح کر سکتا ہوں۔" اختر بخاری کانپ گیا —

"کیوں — کر کیوں نہیں سکتے۔" انسپکٹر جمشید نے بُرا سا منہ بنایا۔

"کیا آپ چاہتے ہیں — وہ میری کوٹھی کو بھی کھنڈر بنا دے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"آپ کے حق میں بہتر یہی رہے گا کہ ہمیں ساتھ ساتھ اطلاع دیتے رہیں — آگے آپ کی مرضی۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنا کر کہا۔

وہ کوٹھی سے باہر نکل آئے — انسپکٹر مشکور تو فوراً تھانے کی طرف روانہ ہو گئے —

"حالات عجیب تیز رفتاری سے بڑھ رہے ہیں، لیکن ہم ہیں

کر گھن چکر بنے ہوئے ہیں۔" محمود بڑبڑایا۔

"بعض اوقات گھن چکر بنے رہنے میں بھی مزا ہے — میرا خیال ہے — اب ہمیں بھی دو حصّوں میں تقسیم ہو جانا چاہیے — فرزانہ تم میرے ساتھ چلو گی — محمود، فاروق — تم دونوں جاؤ گے۔" یہ کہتے ہی انسپکٹر جمشید نے ایک ٹیکسی کو رُکنے کا اشارہ کیا — جوں ہی وہ رُکی — انھوں نے اس کا دروازہ کھولا اور اس میں بیٹھ گئے —

"لیکن ابّا جان — ہم کیا کریں؟" محمود بوکھلا کر بولا۔

"جو تمھارا دل چاہے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی ٹیکسی آگے بڑھ گئی — محمود اور فاروق سڑک پر کھڑے رہ گئے — دونوں حیرت زدہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے — اسی وقت ایک ٹیکسی ان کے قریب آ کر رُکی — ڈرائیور منہ باہر نکال کر بولا:

"وہ آپ کو چھوڑ کر چلے گئے تو کیا ہوا — میں آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہوں۔"

"شکریہ جناب — آپ نے شفیق پریس دیکھا ہے۔"

"پورے قصبے میں بس ایک ہی تو پریس ہے — ظاہر ہے، وہ شفیق پریس ہی ہو گا۔"

"تو پھر ہمیں ذرا وہاں تک لے چلیے۔"

"تشریف رکھیے نا — اسی لیے تو حاضر ہوا ہوں۔"

"بھئی واہ ۔ ایسے ٹیکسی ڈرائیور آج کل ذرا کم ملتے ہیں۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"چلیے خیر ۔ ملتے تو ہیں۔"

اور پندرہ منٹ کے بعد اس نے انھیں شفیق پریس کے سامنے اتار دیا:

"میرا خیال ہے ۔ ہمارا ساتھ اس قدر مختصر نہیں ہونا چاہیے۔" محمود نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

"میں ہر طرح حاضر ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"تو پھر ہمارا انتظار کیجیے۔"

یہ کہ کر وہ آگے بڑھ گئے ۔ شفیق پریس کا مالک ایک بوڑھا آدمی تھا ۔ اس نے انھیں تیز نظروں سے گھورا ، پھر بولا:

"ہاں ۔ کیا بات ہے؟"

"یہ پوسٹر آپ نے چھاپا ہے ، اس پر آپ کے پریس کا نام لکھا ہے۔" محمود نے جیب سے تہ کیا ہوا پوسٹر نکالا اور اس کے سامنے پھیلا دیا ۔ یہ اس نے ہوٹل کے ہال میں جیب میں رکھ لیا تھا۔

"ہاں ! یہیں سے چھپا ہے ۔ تو پھر ۔ کیا ہوا؟"

"چھپوانے والے کا نام پتا؟"

"راجا سنز ۔ بازار کمہاراں۔"

"شکریہ ۔ آؤ بھئی چلیں۔"

دونوں راجا سنز کے دفتر میں داخل ہوئے:

"یہ اشتہار آپ نے چھپوایا ہے جناب؟" محمود نے اشتہار دکھا کر کہا۔

"جی ہاں ! اس لیے کہ ہم یہی کام کرتے ہیں ۔ لوگوں کو ان کی ضرورت کی چیزیں چھپوا کر دیتے ہیں اور اپنی کمیشن لیتے ہیں۔"

"یہ اشتہار آپ کو کس نے دیا تھا؟" محمود نے پوچھا۔

"بذریعہ فون اشتہار کا مضمون لکھوایا گیا تھا اور ڈاک کے ذریعے ایک رجسٹرڈ لفافے میں اخراجات بھجوائے گئے تھے۔"

"آپ سے اشتہار وصول کس نے کیا؟"

"رگو بابا نے۔"

"کیا!" محمود اور فاروق کے منہ سے ایک ساتھ نکلا ۔ آنکھوں میں حیرت دوڑ گئی ۔۔۔

تعاقب کا تجربہ

دونوں نے ایک دُوسرے کی طرف دیکھا :

"کیا بات ہے جناب ۔ خیر تو ہے ۔ آپ چلّائے کیوں ؟"

"کیا یہ سچ ہے کہ رگو بابا یہاں آکر پوسٹر لے گیا تھا:" محمود نے جلدی سے کہا ۔

"ہاں ۔ یہ بالکل درست ہے ۔ آپ کو اس میں شک کیوں ہے ۔"

"اس لیے کہ رگو بابا نے بتایا تھا ، پوسٹر اسے ایک صاحب دے گئے تھے ۔ ان صاحب کا اس نے حلیہ بھی بتایا تھا ، ویسے آپ درمیانے قد اور بھاری بھرکم جسم کے تو نہیں ہیں؟" فارُوق نے ہونقوں کی طرح پُوچھا ۔

"نن ۔ نہیں ۔ کیوں ۔ یہ کیوں پُوچھا آپ نے ۔"

"پوسٹر اس کے پاس ایک بھاری بھرکم جسم والا آدمی لے کر گیا تھا ۔ جس کا قد درمیانہ تھا ، لیکن آپ کہتے ہیں کہ پوسٹر رگو بابا

خود یہاں سے لے گیا تھا ۔ سوال یہ ہے کہ ان میں سے کون سی بات سچ ہے ۔ اور آپ میں سے ایک جھوٹ کیوں بول رہا ہے ۔"

"بھلا مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے ۔"

"پتا نہیں جناب ۔ کیا ضرورت ہے ۔ یہ تو آپ ہی بتا سکتے ہیں ۔" فارُوق نے بے چارگی کے عالم میں کہا ۔

"یہ ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی ۔

"شاید میں کچھ غلط کہہ گیا ، خیر آپ خیال نہ فرمائیں ۔ تو آپ جھوٹ نہیں بول رہے ۔ محمود تم یہیں ٹھہرو ۔ میں ذرا رگو بابا کو یہیں بُلا لاتا ہوں ۔ تاکہ دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی ہو جائے ۔"

"ہوں ٹھیک ہے ۔ اسے کہتے ہیں ، ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ۔" محمود مُسکرایا ۔

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ۔ آپ تو پہیلیاں سی بجھوا رہے ہیں ۔"

"ذرا دیر صبر کریں جناب ۔"

"آپ نے اب تک اپنا تعارف بھی نہیں کروایا ۔"

"محمود تم اطمینان سے تعارف کرواؤ ۔ میں اتنے میں رگو بابا کو لے کر آتا ہوں ۔" فارُوق نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا باہر نکل گیا ۔

باہر نکل کر وُہ ٹیکسی میں بیٹھا اور بولا :

"آپ رگو بابا کا ٹھکانا جانتے ہیں ؟"

"پوسٹر والا رگو بابا" ٹیکسی ڈرائیور نے کہا۔

"ہاں ! وہی ۔"

"جانتا ہوں۔ کیا وہاں چلنا ہے ؟"

"بالکل۔ اور ذرا جلدی چلیے ۔" فارُوق نے کہا اور ٹیکسی چل پڑی۔

"آپ کے ساتھی کہاں رہ گئے ؟"

"یہیں رہ گئے ہیں۔ ہمیں بھی پھر یہیں آنا ہے۔"

"سمجھ میں نہیں آیا۔ آپ لوگ کرتے کیا پھر رہے ہیں ۔"

"آپ کو کیا بتائیں۔ ابھی تک تو ہماری بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ ہم کیا کرتے پھر رہے ہیں۔"

"جی۔ یہ کیا بات ہوئی ؟" ٹیکسی ڈرائیور نے حیران ہو کر کہا۔

"مجھے تو یہ بھی پتا نہیں۔ کہ یہ کوئی بات ہوئی ہے یا نہیں۔" فارُوق نے کندھے اچکائے ۔

"اچھا خیر۔"

رگو بابا نے چند لمحے تک اسے گھور کر دیکھا ، پھر اس نے کہا :

"آپ کو کہیں دیکھ چکا ہوں۔"

"جی ہاں۔ ضرور دیکھا ہو گا۔ ذرا آپ سے ایک کام ہے۔ بہت ضروری کام۔ آپ کو ساتھ لے کر جانا پڑے گا ، لیکن فکر کی ضرورت نہیں۔ ٹیکسی آپ کو یہاں پہنچا جائے گی ۔"

"کام کیا ہے ؟"

"ایک پوسٹر کے سلسلے میں بات کرنا ہے۔"

"اوہ ۔ پوسٹر۔ تو پھر چلیے ۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

وُہ باہر نکل کر ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔ جُوں ہی ٹیکسی راجا سنز کے دفتر کے سامنے رکی ، رگو بابا پریشان ہو گیا ، اس نے جلدی سے کہا :

"آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں ؟"

"بتایا تو ہے۔ ایک پوسٹر کے بارے میں بات کرنا ہے۔"

"ہوں اچھا ۔" اس نے فکر مندانہ لہجے میں کہا۔

اور وُہ اسے لے کر اندر داخل ہوا۔ محمود اور راجا جُوں کے تُوں بیٹھے ملے :

"لیجیے ۔ رگو بابا حاضر ہیں ۔"

"رگو بابا۔ آپ نے انسپکٹر مشکور صاحب کو بتایا تھا کہ پوسٹر آپ کو ایک درمیانے قد کا بھاری بھر کم جسم والا آدمی دے گیا تھا ، لیکن ان کا بیان ہے کہ پوسٹر آپ یہاں سے خود لے گئے تھے ۔ ذرا وضاحت کر دیں۔ کون سی بات سچ ہے اور

کون سی غلط ؟"

رگو بابا سکتے کے عالم میں رہ گیا ، پھر اس نے سنبھل کر کہا :

" م ۔ میرے منہ سے غلط نکل گیا تھا ۔ بعد میں مجھے احساس ہوا کہ یہ معاملہ بہت اہم معلوم ہوتا ہے ، مجھے غلط بیانی نہیں کرنی چاہیے تھی ۔"

" تو اس وقت آپ نے غلط بیانی کی تھی ۔"

" بس بلا وجہ مُنہ سے جھوٹ بات نکل گئی ۔ بعد میں اور بھی جھوٹ بولنا پڑا ۔ پہلی بات کو سچ ثابت کرنے کے لیے ۔"

" ہوں ۔ آپ کا کردار اب مشکوک ہو گیا ہے ۔ آپ کو ہمارے ساتھ پولیس اسٹیشن تک چلنا ہوگا اور اگر آپ نہیں جائیں گے تو ہم یہیں پولیس کو بُلا لیں گے ۔"

" م ۔ میں ۔ میں کیا کر سکتا ہوں ۔ چلیے چلتا ہوں ۔" اس نے کندھے اچکائے ۔

وہ اسے لے کر تھانے پہنچے ۔ انسپکٹر مشکور نے انھیں حیرت بھری نظروں سے دیکھا اور بولا :

" یہ آپ لوگ رگو بابا کو کیوں لے آئے ؟"

" آپ کے سامنے رگو بابا نے یہ کہا تھا کہ پوسٹر انھیں ایک درمیانے قد کا بھاری بھرکم آدمی دے گیا تھا ، لیکن درحقیقت

ایسا نہیں ہے ۔ راجا سنز والوں نے انھیں فون کیا تھا اور یہ وہاں سے پوسٹر خود لے کر آئے تھے ۔ یہ بیان راجا سنز کے مالک کا ہے اور اب انھوں نے بھی یہ بات مان لی ہے ، ان کا کہنا ہے کہ سوچے سمجھے بغیر ان کے منہ سے جھوٹ بات نکل گئی تھی ۔ اس کو درست ثابت کرنے کے لیے انھیں اور جھوٹ بولنا پڑے ۔ ہم انھیں آپ کے پاس صرف اس لیے لائے ہیں کہ سچ بات معلوم ہو سکے ۔"

انسپکٹر مشکور کی تیز نظریں رگو بابا پر جم گئیں :

" کیوں رگو بابا ۔ اب کیا کہتے ہو ۔ دیکھو بالکل سچ بات اگلنا ۔"

" سچ بات یہی ہے کہ میرے مُنہ سے جھوٹ بات نکل گئی تھی ۔"

" لیکن حلیہ تم نے ایسے آدمی کا کیوں بتایا تھا جو سیٹھ جلوان سے ملتا جُلتا تھا ۔" محمود نے اسے گھورا ۔

" کیا حلیہ بھی سوچے سمجھے بغیر مُنہ سے نکل گیا تھا ۔" فاروق کے لہجے میں طنز تھا ۔

رگو بابا گڑ بڑا گیا ۔ اس کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی ، چہرے کا رنگ اڑتا نظر آیا ۔

" ہوں ، ضرور دال میں کالا ہے ۔ آپ جائیے ، میں اس سے سچ اگلوا لوں گا ۔"

"لیکن ہم چاہتے ہیں ، جب یہ سچ اُگلے تو ہم بھی اس کے قریب موجود ہوں۔" محمود نے فوراً کہا۔

"اچھی بات ہے — آئیے — اسے ابھی کمرۂ خاص میں لے چلیں۔" یہ کہہ کر انسپکٹر مشکور نے گھنٹی بجائی — فوراً ایک کانسٹیبل اندر داخل ہوا :

"بابا جی کو کمرۂ خاص میں لے چلو — انھیں سچ بولنے کی تربیت دینا ہے۔"

"اوہ اچھا — چلیے بڑے میاں۔" کانسٹیبل نے دانت نکال کر رگو بابا سے کہا۔

"نن — نہیں — نہیں — مجھ پر ظلم نہ کریں — میں نے جھوٹ نہیں بولا۔"

"ہم نے یہ کب کہا ہے کہ آپ نے جھوٹ بولا ہے ، یہ تو خود آپ نے بتایا ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"یہ بات تو سوچے سمجھے بغیر آپ کے منہ سے نکل گئی — کہ پوسٹر آپ کو ایک آدمی دے گیا تھا ، لیکن آپ نے حلیہ سیٹھ جلوان کا کیسے بتا دیا — جب کہ پوسٹر سرے سے کوئی آدمی نہیں دے گیا تھا — خود جا کر لانا پڑے تھے ، آپ کو۔"

"مم — میں — میں۔" اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

"چلو بھئی — کمرۂ خاص میں جانا ہی ہوگا — اور ذرا جلدی کرو ،

کہیں اس کی کوئی سفارش نہ آ جائے۔"

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے کہ ان کی سفارش آ جائے — اس طرح ایک اور آدمی سامنے آ جائے گا۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا —

"ہاں ! یہ بھی ٹھیک ہے۔" محمود نے کہا۔

اسی وقت قدموں کی آواز اُبھری ، انھوں نے نظریں اُٹھائیں تو ایک لمبے قد کا آدمی چلا آ رہا تھا :

"باسط راہی آپ کی خدمت میں حاضر ہے — میں رگو بابا کا وکیل ہوں — آپ کو ان سے جو بات بھی کرنا ہے ، میری موجودگی میں کریں۔"

انھوں نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا — آخر انسپکٹر مشکور نے کہا :

"آئیے تشریف رکھیے — خوشی ہوئی کہ آپ آئے مگر صرف یہ ہے کہ رگو بابا نے ہم سے جھوٹ بولا ہے — ہم صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ انھوں نے ایسا کیوں کیا۔"

"مہربانی فرما کر پوری بات بتائیں۔"

باسط راہی کو پوری بات بتائی گئی — اس نے فوراً کہا :

"تب جھگڑا کیا ہے — سیٹھ جلوان اس وقت ان کے سامنے ہی تو موجود تھا — سوچے سمجھے بغیر ان کے منہ سے ان کا حلیہ نکل گیا۔"

"جی نہیں... سعد معوان کو تو انھوں نے حلیہ بتانے کے بعد دیکھا تھا اور یہ خود بھی حیران ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نا معلوم آدمی نے انھیں یہ ہدایت دی تھی کہ جب ان سے پوسٹروں کے بارے میں پوچھا جائے تو یہ اصل بات نہ بتائیں۔ یعنی یہ نہ کہیں کہ پوسٹر خود جاکر راجا سنز سے لائے تھے، بلکہ یہ کہیں کہ انھیں اس حلیے کا ایک آدمی دے گیا تھا۔"

"تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ رگو بابا کا اس نا معلوم آدمی سے کوئی تعلق ہے۔" وکیل نے بُرا سا مُنہ بنایا۔

"ہاں۔ ہمارا خیال یہی ہے۔" انسپکٹر مشکور نے پُر زور لہجے میں کہا۔

"تو پھر پہلے ثبوت پیش کریں اور اس کے بعد رگو بابا کو گرفتار کریں۔ آپ انھیں حراست میں رکھ کر خوف زدہ کر کے بیان نہیں لے سکتے۔"

انھوں نے بے بسی کے عالم میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر انسپکٹر مشکور نے کہا:

"اچھی بات ہے۔ اب ہم رگو بابا کے خلاف باقاعدہ پرچہ درج کریں گے۔"

"ضرور ضرور۔ آئیے رگو بابا چلیں۔" وکیل نے شوخ انداز میں کہا۔

دونوں اُٹھے اور باہر چلے گئے۔

"یہ کیا ہوا۔" انسپکٹر مشکور بولے۔

"پہلے سے بھی اچھا ہوا۔ ایک اور آدمی ہمارے سامنے آگیا۔ آؤ فاروق چلیں، ہمیں ان کا تعاقب کرنا ہے۔" محمود جلدی سے بولا اور اُٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

"کیا میں بھی چلوں؟" انسپکٹر مشکور نے پوچھا۔

"نہیں۔ اس طرح انھیں تعاقب کا احساس ہو جائے گا۔ یہ کام صرف ہمیں کرنے دیں۔"

دونوں باہر نکل کر تیر کی طرح ٹیکسی کی طرف بڑھے۔ اسی وقت انھوں نے تھانے کے سامنے کھڑی ایک سُرخ کار کو حرکت میں آتے دیکھا۔ اس کی اگلی سیٹ پر انھوں نے وکیل کی جھلک صاف دیکھی تھی۔ ٹیکسی ڈرائیور اونگھ رہا تھا۔ انھوں نے دروازہ کھولا تو چونک اُٹھا:

"اوہ۔ آپ آگئے۔"

"آپ شاید اونگھنے کے بہت شوقین ہیں۔" فاروق نے مُنہ بنایا۔

"جب آپ جیسی سواریاں مل جائیں تو پھر مجبوراً اونگھنا پڑتا ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا یہ بتائیں۔ تعاقب کا کوئی تجربہ ہے؟"

"تعاقب کا تجربہ۔ کیا مطلب۔ میں سمجھا نہیں۔"

"ہمیں اس سُرخ کار کا تعاقب کرنا ہے، لیکن اس انداز سے کہ ان لوگوں کو کانوں کان خبر نہ ہو۔"

"یہ کیا مشکل ہے۔ آپ تشریف رکھیے۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"شکریہ دوست۔ آپ کا نام کیا ہے؟"

"شریف بھائی۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"شریف بھائی۔ یہ کیسا نام ہوا۔"

"بس شریفانہ سا نام ہے۔" اس نے کہا۔

"ہوں۔ چلیے ٹھیک ہے۔ ہمیں منظور ہے۔ سُرخ کار نظروں سے اوجھل ہو چلی ہے۔" فارُوق بولا۔

"اس کی آپ فکر نہ کریں۔ یہ آپ نے کیا کہا کہ ہمیں منظور ہے۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"آپ کا نام۔ ہمیں منظور ہے۔" فارُوق نے وضاحت کی۔

"اوہ اچھا۔ شکریہ۔" اس نے ہنس کر کہا اور ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔

جلد ہی انھوں نے محسوس کر لیا کہ وُہ واقعی تعاقب میں ماہر ہے۔ اس نے درمیانی فاصلہ اتنا رکھا کہ تمام وقت سُرخ کار قریب قریب نظروں سے اوجھل رہی۔ درمیان میں دُوسری کاریں

بھی آتی جاتی رہیں، لیکن اس نے تعاقب جاری رکھا۔ اور سُرخ کار کو غائب نہیں ہونے دیا، یہاں تک کہ وُہ ایک کوٹھی میں داخل ہو گئی:

"بھئی واہ۔ مان گئے شریف بھائی آپ کو۔"

"شکریہ۔ اب کیا کرنا ہے۔"

"بس یہیں اتار دیں اور ہمارا انتظار کریں۔"

اس نے ٹیکسی روک لی۔ دونوں اُتر کر اس کوٹھی کی طرف بڑھے ہی تھے کہ شریف بھائی کی چونکا دینے والی آواز سُنائی دی:

"ارے۔ یہ کوٹھی تو اُس کی ہے۔"

"جی۔ کس کی ہے؟"

"ایک بدنام آدمی کی۔ وہ پورے قصبے میں بدنام ہے۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس کے قبضے میں بدرُوحیں ہیں۔ اور یہ کہ وُہ کالا علم جانتا ہے۔ کالے علم کے زور سے لوگوں کے مسائل حل کرتا ہے۔ لوگ اس سے اپنی چوریوں کا پتا پوچھنے آتے ہیں۔ یہ کالے علم کے ذریعے پتا لگا کر چور کے بارے میں بتا دیتا ہے۔ وُہ لوگ جا کر پولیس کو بتاتے ہیں اور چور کو پکڑ لیتے ہیں۔ چور چوری کا اقبال کر لیتا ہے۔ اس طرح اس شخص کی شہرت میں آئے دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس کوٹھی کی جگہ پہلے

ایک سادہ سا مکان تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہاں کوٹھی بن گئی ۔"
شریف بھائی جلدی جلدی کہہ گیا۔

" شکریہ شریف بھائی ۔ ہم اس جادوگر کو ایک نظر دیکھنا چاہتے ہیں ۔"

" تو آپ بھی جا کر دروازہ کھٹکھٹا دیں ۔ اپنا کوئی مسئلہ پیش کر دیں۔"

" ویری گڈ ۔ اچھی ترکیب ہے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا ۔

دونوں کوٹھی کے دروازے پر پہنچے ۔ اندر سُرخ کار کھڑی تھی ، لیکن وکیل اور رگو بابا نظر نہیں آ رہے تھے ۔ محمود نے گھنٹی کا بٹن دبا دیا ۔ ایک ملازم نے جلد ہی دروازہ کھولا :

" ہاں ! کیا بات ہے ؟"

" ایک چوری کا معاملہ ہے ۔"

" آجاؤ اندر ۔ فیس لائے ہو ؟"

" ہم خالی جیب نہیں ہیں ۔"

" اور یہ اچھی بات ہے ۔ پہلے تو میری فیس نکالو ۔" اس نے خوش ہو کر کہا ۔

" جی کیا مطلب ؟ آپ کی فیس ؟"

" ہاں ۔ پروفیسر صاحب تک پہنچانے کی فیس ۔ اگر میں تمھیں یہیں سے لوٹا دوں تو تم پروفیسر صاحب تک کس طرح پہنچو گے ۔"

" ہوں ۔ بات تو ٹھیک ہے " یہ کہتے ہوئے محمود نے نام کی

پلیٹ پر نظر ڈالی ۔ اس پر پروفیسر قادری لکھا تھا ۔

" آپ کی فیس ہے کتنی جناب ؟"

" صرف دو سو روپے ۔"

" اور پروفیسر صاحب کی ؟" محمود نے پریشان ہو کر کہا ۔

" ایک ہزار روپے ۔"

" گویا ہمیں بارہ سو روپے خرچ کرکے چور کا سراغ ملے گا ، چاہے ہماری چوری بارہ سو روپے کی ہوئی بھی نہ ہو ۔"

" یہ آپ دیکھ لیں ۔ فیس کے بغیر آپ کچھ معلوم نہیں کر سکتے ۔"

" اچھا بھائی ۔ یہ لو دو سو روپے ۔" محمود نے بٹوے میں سے دو سو روپے نکال کر دے دیے ۔

وہ انھیں اپنے ساتھ اندر لے گیا اور ایک کمرے میں بٹھاتے ہوئے بولا :

" پروفیسر صاحب ساتھ والے کمرے میں مصروف ہیں ۔ جوں ہی فارغ ہوئے ، میں آپ کو ان کے سامنے پیش کر دوں گا ۔ فی الحال یہاں بالکل خاموشی سے بیٹھے رہیں ۔ باتیں نہ کریں ۔ اگر آپ کی آواز پروفیسر صاحب کے کانوں میں پڑ گئی ۔ تو ان کا ذہن بھٹک جائے گا ۔" اس نے سرگوشی کی ۔

" اچھی بات ہے ۔ آپ فکر نہ کریں ۔ ہم بالکل خاموش بیٹھے رہیں گے ۔" فاروق نے دبی آواز میں کہا ۔

"شکریہ!" ملازم نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر محمود دبے پاؤں دروازے تک گیا۔ اس نے دروازہ تھوڑا سا کھولا اور سر باہر نکال کر دیکھا۔ برآمدہ سنسان پڑا تھا۔ ساتھ والے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ کمرے سے نکلا اور اس دروازے سے کان لگا دیے۔ فوراً ہی اس کے کانوں سے کسی کی آواز ٹکرائی:

"ٹھیک ہے۔ باسط۔ اسے ایک گھنٹے بعد ہوٹل باری کے ہال میں موجود ہونا چاہیے۔ خیال رہے، اس کی میز پر کوئی کوور نہ ہو۔"

"او کے سر۔ آپ فکر نہ کریں۔ یہ کام ہو جائے گا۔" وکیل کی آواز میں ہلکی سی کپکپی تھی۔

"اب تم اسے لے جاؤ۔ اس کی طرف سے ہمیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"جی بہتر۔"

محمود فوراً پیچھے ہٹا اور کسی سے ٹکرا گیا۔ چونک کر مڑا تو پروفیسر کا ملازم اسے گھور رہا تھا۔ اور پہلے کمرے کے دروازے پر فاروق پریشانی کے عالم میں ہاتھ مل رہا تھا۔ ملازم نے محمود کو بازو سے پکڑا اور اسے کھینچ کر پہلے کمرے میں لے آیا:

"یہ کیا حرکت تھی۔" اس نے سرگوشی کی۔

"میں پروفیسر صاحب کی آواز سننے کے لیے بے چین تھا۔" محمود بولا۔

"اپنی باری پر سن لیتے۔ اتنی بھی کیا بے چینی۔"

"جی بس۔ غلطی ہو گئی۔"

اسی وقت برآمدے میں گھنٹی بجی۔ ملازم اچھل پڑا۔

"اب غلطی نہ ہو۔" وہ غرایا۔

"جی اچھا۔ آپ فکر نہ کریں۔" محمود نے فوراً کہا۔

وہ کمرے سے نکل گیا۔

"فاروق! اب تم جاؤ۔"

"کہاں جاؤں۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"پروفیسر کے دروازے پر۔ وکیل باسط راہی، رگو بابا کو لے کر جا رہا ہے۔ جوں ہی وہ نکلیں، تم دروازے سے کان لگا دینا۔"

"لیکن اس کی کیا ضرورت ہے۔ پہلے ہی ہماری حرکت ملازم پکڑ چکا ہے۔"

"تو کیا ہوا۔ اگر اس نے ہمارے بارے میں کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا۔ ہم دو سو روپے والی بات بتا دیں گے۔"

"ہوں۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔" فاروق نے کہا اور دروازہ کھول

کر برآمدے میں جھانکا، پھر جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔ اور جھری میں سے دیکھتا رہا۔ محمود بھی اس کے ساتھ کھڑا تھا۔ انھوں نے دیکھا باسط راہی، رگو بابا کو بازو سے پکڑے لیے جا رہا تھا — وُہ نیند میں محسوس ہو رہا تھا۔ قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ جُوں ہی وُہ نظروں سے اوجھل ہوئے۔ فارُوق باہر نکل آیا اور دروازے سے جا لگا:

"ہوں ٹھیک ہے۔" اندر آواز اُبھری۔

ساتھ ہی دروازہ کھُلا اور فارُوق جھونک میں مُلازم سے ٹکرا گیا۔ مُلازم گھبرا گیا —

"یہ — یہ کیا؟" پروفیسر کی آواز سُنائی دی۔

فارُوق نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر حیران رہ گیا۔ اسی وقت محمود بھی اس تک پہنچ گیا —

سب ساتھ چھوڑ گئے

انسپکڑ جمشید اور فرزانہ سیدھے ہوٹل افشاں پہنچے۔ کاؤنٹر کے پاس ہی اونچے سٹول پر سیٹھ بھلوان بُت بنا بیٹھا تھا۔ اور پوری طرح ہونق نظر آ رہا تھا۔ ہوٹل کی حفاظت کے لیے ابھی پولیس نہیں پہنچی تھی —

"کیوں — کیا ہوا، خیر تو ہے؟"

"اس وقت تک تو مَیں ہوٹل کی بدنامی اور گاہکوں کے غائب ہونے کو رو رہا تھا، لیکن اب اس نے دھمکی دی ہے کہ میرے ہوٹل کو کھنڈر بنا دے گا۔ گویا اب یہ عمارت بھی میرے ہاتھ سے جائے گی۔"

"ہوں! فون پر جب اس سے بات ہوئی تھی تو کیا اس نے کسی کے فون کرنے کے بارے میں پُوچھا تھا؟"

"ہاں بالکل پوچھا تھا — اور میں نے اسے بتا دیا تھا کہ کوٹ گڑھ ۱۱۳ سے اختر بخاری نے فون کیا تھا کہ وُہ اپنے

کسی عزیز کو قتل کروانا چاہتا ہے — یہ سُن کر اس نے کہا تھا کہ اس اِطلاع کے لیے شکریہ، لیکن چوں کہ آپ نے پولیس سے رابطہ قائم کر لیا ہے — اب ہوٹل کو کھنڈر میں تبدیل ہونے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔"

"اس کی اس دھمکی کے باوجود آپ ہوٹل میں بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"تو پھر — اور کیا کروں۔"

"کیا ہوٹل کے ساتھ خود بھی ٹکڑوں میں تبدیل ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے؟"

"یہ — یہ آپ کیا کہ رہے ہیں — کیا وُہ میرے ہوٹل کو بم سے اڑائے گا؟"

"کھنڈر بنانے کا اس سے اچھا طریقہ اور کون سا ہے —"

فرزانہ مسکرائی —

"اوہ!" وُہ دھک سے رہ گیا۔

"اور آپ کا عملہ کہاں گیا؟" انسپکٹر جمشید نے چاروں طرف دیکھا — کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

"سب ساتھ چھوڑ گئے — سوائے اس کے۔" اس نے درد بھری آواز میں کہا۔

"سوائے اس کے — کیا مطلب؟"

"آپ دیکھ نہیں رہے — میرے پیروں میں کون بیٹھا ہے۔"

انھوں نے جلدی سے نیچے دیکھا — سفید رنگ کی ایک پیاری سی بلّی سیٹھ جلوان کی ٹانگ سے ناک رگڑ رہی تھی —

"سب چلے گئے — یہ نہیں گئی۔"

"ہوں، لیکن اب آپ کو بھی یہاں سے نکل جانا چاہیے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوہو — یہ میں کیا سُن رہی ہوں — ارے — جلدی کیجیے — ابّا جان — فوراً باہر نکل چلیے۔" یہ کہتے ہی فرزانہ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور باہر کی طرف دوڑ پڑی —

سیٹھ جلوان بوکھلا اُٹھا — تیزی سے جھکا — بلّی کو اُٹھایا اور ان کے پیچھے دوڑا — جلد ہی وُہ ہوٹل سے باہر تھے:

"کیا بات تھی فرزانہ؟"

"میں نے ٹک ٹک کی بہت ہی ہلکی آواز سُنی ہے — شاید ٹائم بم لگایا جا چکا ہے۔"

"اوہ!" ان کے مُنہ سے ایک ساتھ نکلا۔

عین اُسی وقت پولیس کی چند گاڑیاں آ کر رکیں — کانسٹیبل نیچے اُترنے لگے — انسپکٹر جمشید تیزی سے ان کی طرف بڑھے —

"ہم لوگ اس ہوٹل کو شاید اب نہیں بچا سکتے — آپ آس پاس کی عمارتوں کو خالی کرانا شروع کر دیں — اندر ٹائم بم رکھا

جا چکا ہے۔ اسے تلاش کرنے کا خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا، کیوں کہ ایک انسانی جان بھی اس پوری عمارت سے زیادہ قیمتی ہے۔"

"یہ آپ کیا کہ رہے ہیں۔ آپ کو کیسے معلوم ہو گیا کہ ہوٹل میں ٹائم بم رکھا جا چکا ہے۔"

"ٹک ٹک کی آواز سے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اوہ!" ان کے مُنہ سے نکلا۔

پولیس اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ آس پاس کی عمارتوں کے لوگ خوف زدہ ہو کر باہر نکلنے لگے، پھر سڑکوں پر ایک ہجوم جمع ہو گیا۔ اس ہجوم میں وہ بھی شامل تھے۔ سب لوگ ہوٹل سے کافی فاصلے پر کھڑے تھے۔ سب کی نظریں اس پر جمی تھیں، پھر کسی نے بلند آواز میں کہا:

"پولیس کو ضرور وہم ہو گیا ہے۔"

"ہمیں نہیں۔ یہاں ایک صاحب موجود تھے۔ سیٹھ جلوان کے ساتھ کھڑے تھے۔ انھوں نے ہمیں بتایا تھا کہ ہوٹل کے اندر بم کی آواز سُنی گئی ہے۔" ایک پولیس آفیسر نے بلند آواز میں کہا۔

"بم کی آواز۔ تو کیا۔ بم کی آواز بھی ہوتی ہے۔" ایک نے چلّا کر کہا۔

"وہ صاحب کہاں ہیں۔ جنھوں نے آواز سُنی تھی؟"

"میں یہ رہا۔" انسپکٹر جمشید آگے نکل کر بولے۔

"آپ کو ہم سب لوگوں کو پریشان کر کے کیا ملا؟"

"ابھی تک کچھ نہیں ملا۔ میں خود پریشان ہو رہا ہوں۔" وہ مسکرائے۔

"آؤ بھائیو۔ چلیں۔ اپنا کام کاج کریں۔" ایک اور آدمی نے چلّا کر کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ چلو۔"

"میں آپ لوگوں کو اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔ احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ آپ لوگ ہوٹل کے نزدیک نہ جائیں۔"

"آخر احتیاط کا تقاضا کب تک رہے گا۔" ایک طنزیہ آواز اُبھری۔

"جب تک خطرہ ٹل نہیں جاتا۔" وہ بولے۔

"ہمیں تو خطرہ دُور دُور تک نظر نہیں آ رہا۔"

"بم کی آواز سُنی جا سکتی ہے۔ دیکھی نہیں جا سکتی۔" فرزانہ تلملا کر بولی۔

"یہ آپ کی ساتھی ہیں؟" ایک نے پُوچھا۔

"ہاں! یہ میری بیٹی ہے۔ اسی نے بم کی آواز سُنی تھی۔ اور یہ اس کام کی بہت ماہر ہے۔ یعنی بم کی آواز پہچاننے کی۔" انسپکٹر جمشید نے بلند آواز میں کہا۔ چاہتے یہ تھے کہ وہ لوگ سہم جائیں اور

نزدیک نہ جائیں —

"لیکن اس بار ضرور انھوں نے غلط اندازہ لگایا ہے۔"

"تو پھر جائیے — عمارتوں میں چلے جائیے۔" فرزانہ جل گئی۔

"نہیں فرزانہ — یہ نہ کہو — یہ انسان ہیں — ہمارے بھائی ہیں — ان کی موت کا صدمہ ہمیں بھی ہوگا۔" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

لوگوں نے پہلے تو بُرے بُرے مُنہ بنائے اور پھر عمارتوں کی طرف قدم اُٹھانے لگے — ایسے میں سیٹھ جلوان بولا:

"آپ کو واقعی وہم ہوا تھا۔"

"نہیں — یہ وہم نہیں تھا — میں ایک بار پھر آپ لوگوں سے درخواست کرتا ہوں — ذرا دیر اور ٹھہر جائیں — آخر اس میں آپ کا کیا حرج ہے۔"

"ہم اپنے کام کا حرج کیوں کریں۔" کئی آوازیں اُبھریں۔

انسپکٹر جمشید اور فرزانہ نے بے بسی کے عالم میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا —

"افسوس — ہم کیا کر سکتے ہیں — پولیس بھی اب یہی سوچ رہی ہے کہ ہمیں ضرور وہم ہو گیا ہے — ورنہ پولیس والے ان لوگوں کو روک سکتے تھے۔"

عین اسی وقت ایک کان پھاڑ دینے والا دھماکا ہوا — دھماکا اس قدر شدید تھا کہ دُور کھڑے لوگ بھی اُچھل اُچھل کر گرے،

گرنے والوں میں خود وہ بھی تھے — اور پھر وہ سب گرد و غبار میں چھپ کر رہ گئے —

غبار چھٹنے میں دس منٹ لگ گئے — دس منٹ بعد ان لوگوں کو دکھائی دینے لگا — گرنے والے اُٹھ کھڑے ہوئے — عمارتوں کی طرف رُخ کرنے والے نہیں اُٹھ سکے تھے — ان میں سے اکثر زخمی ہو گئے تھے — ہوٹل کی عمارت کی جگہ اب ملبے کا ایک ڈھیر پڑا تھا — آس پاس کی عمارتوں کو شدید نقصان پہنچا تھا — کئی عمارتوں کے کئی حصے گر چکے تھے — اس قدر ہولناک حادثہ تھا کہ وہ کانپ گئے — سیٹھ جلوان نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا:

"اُف خدا — اگر آپ لوگ نہ آتے — تو — تو میں — تو گیا تھا۔"

"جسے اللہ رکھے، اسے کون چکھے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"اب آئیے — کہیں چل کر بیٹھیں — ہمیں آپ سے چند باتیں کرنا ہیں — یوں بھی آپ کو سکون کی ضرورت ہے۔"

وہ اس کے ساتھ پیچھے ہٹتے چلے گئے —

"بم رکھنے کے لیے کوئی آدمی ہوٹل کے اندر داخل ہوا ہوگا،

اس کے بارے میں آپ کچھ بتا سکتے ہیں ۔ میرا مطلب ہے ، فون ملنے کے بعد کوئی شخص آیا تھا ہوٹل میں ؟

" ہاں ! آیا تھا ایک شخص ۔ کھانے کے لیے کچھ مانگ رہا تھا، میں نے اسے بتا دیا کہ ہوٹل میں ایک آدمی کو قتل کر دیا گیا ہے ، ملازم خوف زدہ ہو کر بھاگ گئے ہیں ۔ وہ چند لمحے کاؤنٹر سے لگا کھڑا رہا اور پھر چلا گیا ۔ ہو نہ ہو ۔ وہی ٹائم بم رکھنے آیا تھا ۔"

" ہوں ! ٹھیک ہے ۔ ضرور یہ کام اسی کا ہے ۔"

" یہاں نزدیک بیٹھنے کی کوئی اچھی سی جگہ ہے ۔ جہاں ہم لوگ کچھ پی سکیں ۔ تاکہ اعصاب کنٹرول میں آ جائیں ۔"

" جی ہاں ۔ نزدیک ہی ایک ہوٹل ہے ۔ وہیں چلتے ہیں ۔"

جلد ہی تینوں اس ہوٹل میں داخل ہوئے ۔ اور ایک میز پر بیٹھ گئے ۔ فوراً ہی بیرا آ موجود ہوا ۔ اسے آرڈر دیا گیا ۔

" ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس نامعلوم آدمی کو آپ سے کوئی دشمنی ہو ؟"

" جی ہاں ۔ میں نے بھی یہی محسوس کیا ہے ۔ اور حیران ہوں کہ اسے کیا دشمنی ہے ۔"

" کیا آپ کا کوئی چھوٹا یا بڑا بھائی تو نہیں ہے ۔ یا پھر کوئی

سوتیلا بھائی وغیرہ ۔"

" جی نہیں ۔ ایسی کوئی بات نہیں ۔"

" آپ کی کسی سے کوئی دشمنی بھی نہیں ؟"

" بالکل نہیں ۔" اس نے فوراً کہا ۔

" تب پھر یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس شخص نے اپنی دکان چمکانے کے لیے ، شہرت حاصل کرنے کے لیے آپ کے ہوٹل کو منتخب کیا تھا ۔"

" جی ہاں ۔ میں بھی اسی نتیجے پر پہنچا ہوں ۔"

اسی وقت بیرا چائے لے آیا ۔ وہ چائے پینے لگے ۔

" پہلی واردات کب ہوئی تھی مسٹر جھلوان ؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا ۔

" آج سے ٹھیک دس روز پہلے ۔ اس کے پانچ دن بعد دوسری واردات ہوئی اور آج تیسری ۔ تینوں بار بالکل ایک ہی انداز میں آدمی ختم ہوا ۔"

" ہوں ۔ پہلے قتل کے بعد آپ کے گاہکوں کی تعداد کم ہوئی تھی ۔"

" جی نہیں ۔ اس وقت تو یہی خیال کیا جا رہا تھا کہ یہ ایک اتفاقی قتل ہے ۔ اس کا ہوٹل سے کوئی تعلق نہیں ، لیکن جب دوسرا قتل بھی اسی طرح ہوا تو گاہک یک دم بہت کم ہو

گئے۔ اور رہے سہے آج چلے گئے تھے، لیکن اب تو وہ ہوٹل
ہی نہیں رہا۔ اُف میرے اللہ۔ اب میں کیا کروں گا؟"

"بنک میں آپ کی نقدی تو ہو گی ہی؟"

"اتنی زیادہ نہیں کہ ہوٹل خرید سکوں۔ ہوٹل میں نے
ابھی ایک سال پہلے ہی خریدا تھا۔ اوہ۔ ارے۔" وہ اچانک
اُچھل پڑا۔

"کیوں۔ کیا ہوا؟" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"مجھے ایک بات یاد آئی ہے۔ شاید آپ اس سے فائدہ اٹھا
سکیں۔ جب میں یہ ہوٹل خرید رہا تھا، ایک اور شخص نے
بھی اسے خریدنے کی کوشش کی تھی، لیکن میں نے قیمت اس
کی نسبت بہت زیادہ لگائی تھی۔ جب کہ وہ قیمت بہت کم
لگا رہا تھا۔ ساتھ ہی اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں یہ ہوٹل
نہ خریدوں۔ یہ مجھے راس نہیں آئے گا۔ اسے خریدنے دوں۔
میں نے اس کی ایک نہ سُنی اور ہوٹل خرید لیا۔"

"اس آدمی کا حلیہ کیا تھا؟"

"صرف اتنا یاد ہے کہ اس کی آنکھیں گہری نیلی تھیں۔"

"اوہ۔ یہ بات واقعی ہمارے کام کی ہو سکتی ہے۔ کیا وہ
شخص اسی قصبے کا تھا؟"

"نہیں۔ وہ کسی اور شہر کا رہنے والا تھا، لیکن اس قصبے

میں آباد ہونے کا پروگرام بنا رہا تھا۔ اتفاق سے ان دنوں
یہ ہوٹل فروخت کیا جا رہا تھا۔ مجھے بھی باپ کی طرف سے
جائداد ملی تھی۔ میں نے اس جائداد کو فروخت کر دیا تھا اور
کوئی کاروبار کرنے کے چکر میں تھا؛ چنانچہ اس ہوٹل کو خریدنے
کا پروگرام بنا لیا۔"

"اس کا مطلب ہے، ہمیں ایک عدد نیلی آنکھوں والے آدمی
کو تلاش کرنا ہو گا۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"میں کیا کہ سکتا ہوں۔ مجھے تو ایک بات یاد آئی، میں
نے آپ کو بتا دی۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔ آپ کا شکریہ۔"

"آپ کا گھر کہاں ہے؟" فرزانہ بولی۔

"یہیں۔ قصبے میں ہے۔ اب میں گھر ہی جاؤں گا۔ میرے
بیوی بچوں کو بھی اس حادثے کی خبر ہو چکی ہو گی اور وہ پریشان
ہو رہے ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم تو آپ کو صرف اس لیے یہاں لے آئے
تھے کہ آپ پُرسکون ہو جائیں۔ ارے۔" اچانک ان کے مُنہ
سے نکلا۔

فرزانہ نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا اور پھر اس
کی آنکھیں بھی حیرت سے پھیل گئیں۔ پھر سیٹھ جلوان نے ادھر

دیکھا۔ وہ بھی حیران ہوئے بغیر نہ رہا۔

رگو بابا لڑکھڑاتے قدموں سے ایک آدمی کے سہارے چلا آ رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ نیند میں ہو، پھر وہ آدمی اسے ایک میز پر بٹھا کر کاؤنٹر تک گیا۔ جیب سے چند نوٹ نکال کر کاؤنٹر پر ڈالے۔ کاؤنٹر کلرک سے کچھ کہا اور باہر چلا گیا۔

انسپکٹر جمشید کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

نیلی آنکھیں

"یہ دو لڑکے۔ چوری کا پتا چلانے کے لیے آئے ہیں سر۔" ملازم نے گڑبڑا کر کہا۔

"لیکن یہ دروازے پر کیا کر رہے تھے۔ دوسرے کمرے میں کیوں نہیں بٹھایا انھیں۔" ایک سرسراتی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

"بٹھایا تو دوسرے کمرے میں ہی تھا۔ شاید بے چارے بہت پریشان ہیں۔ اُٹھ کر دروازے پر آ گئے۔"

"ہوں خیر۔ انھیں اندر لے آؤ۔ اور تم باہر چلے جاؤ۔"

ملازم انھیں لے کر اندر داخل ہوا۔ اب انھوں نے پروفیسر قادری کا پوری طرح جائزہ لیا۔ اس کے جسم پر دھاری دار لبادہ سا تھا۔ دھاریوں کا رنگ سفید اور زرد تھا۔ سر کے بال بہت بڑے بڑے تھے۔ ان کا رنگ اخروٹ جیسا تھا۔ اس کی آنکھیں گہری نیلی تھیں۔ ان میں اس قدر تیز چمک تھی کہ ان کی طرف

دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ ملازم انھیں کرسیوں پر بٹھا کر باہر نکل گیا اور دروازہ بند کر گیا —

"ہاں! اب بتاؤ۔ کیا چاہتے ہو؟" انھیں اس کی نظریں اپنے جسم میں اُترتی محسوس ہوئیں۔ گھبراہٹ کا شدید احساس ہوا۔

"وہ۔ وہ جی ہم ایک چوری کا سُراغ لگوانا چاہتے ہیں۔"

"ایک ہزار روپے فیس کے ادا کر دو۔"

"لل۔ لیکن جناب — معاملہ صرف ایک چھوٹی سی چوری کا ہے۔"

"تو پھر۔ میرے پاس آنے کی کیا ضرورت تھی۔" اس نے سرد آواز میں کہا۔

"خیر خیر۔ آپ ناراض نہ ہوں۔ یہ لیجیے اپنی فیس۔" محمود نے کہا اور جیب سے بٹوہ نکال کر ہزار روپے گن دیے —

"اب چوری کی تفصیل سناؤ۔ ارے۔ ذرا میری طرف دیکھنا — یہ کیا۔ تمھیں تو نیند آ رہی ہے۔"

انھوں نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا۔ جوں ہی اس کی نظروں سے ان کی نظریں ملیں، دونوں کو ایک زور دار جھٹکا لگا۔ ان کے سر آپس میں ٹکرا گئے:

"سنبھل کر بیٹھو بھئی۔ تمھیں تو واقعی نیند آ رہی ہے۔ گہری نیند۔ ہاں تم سوتے جا رہے ہو۔ تم تو مکمل طور پر سو گئے ہو — کیوں۔ سو گئے ہو نا۔"

محمود اور فاروق کرسیوں میں لڑھک گئے۔

"ہاں! ہم سو گئے ہیں۔" دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"اب تم میرے سوالات کے جواب دو گے۔ جو میں ہدایات دوں، ان پر عمل کرو گے۔ ٹھیک ہے، عمل کرو گے نا۔"

"ہاں! ہم عمل کریں گے۔"

"کیا تمھاری کوئی چیز چوری ہوئی ہے۔"

"نہیں!" ان کے ہونٹ ہلے۔

"تب پھر۔ تم لوگ میرے پاس کیوں آئے تھے؟"

"یہ جاننے کے لیے کہ آپ کیا کرتے ہیں۔"

"تم انسپکٹر جمشید کے بیٹے ہو نا۔"

"ہاں!"

"یہاں تک کیسے پہنچ گئے؟"

"وکیل باسط راہی اور رگو بابا کا تعاقب کرتے ہوئے۔"

"اوہ۔ تو یہ باسط راہی کی بے وقوفی سے ہوا۔ خیر۔ اس کا بھی انتظام کر لوں گا۔ ہاں تم بتاؤ۔ اب تک تم لوگوں نے کیا اندازے لگائے ہیں؟"

دونوں کے ہونٹ ہلنے لگے۔ اپنے اپنے اندازے وہ ایک ساتھ بتانے لگے۔ اس طرح الفاظ گڈ مڈ ہو گئے۔ پروفیسر قادری نے جلدی سے کہا:

"یُوں نہیں - پہلے تم میں سے ایک بتائے - جو بڑا ہے ، وُہ بولے گا۔"

"میں بڑا ہوں - میں بولوں گا۔" محمود نے کہا اور اب تک جو حالات اور واقعات پیش آئے تھے اور جو اندازے وہ لگا سکا تھا بتاتا چلا گیا ، پھر فارُوق کی باری آئی —

"ہوں ٹھیک ہے - اب تم دونوں میرا پروگرام غور سے سُنو، جب تم دونوں جاگو گے - میز پر تمھیں دو خنجر رکھے نظر آئیں گے ، تم ایک ایک خنجر اُٹھا لینا - انھیں اپنے کپڑوں میں چھپا لینا ، پھر اپنے والد اور اپنی بہن تک پہنچ جانا - ان خنجروں سے ان کا کام تمام کر دینا - تم میں سے جو بڑا ہے - وہ اپنے والد پر حملہ کرے گا اور چھوٹا اپنی بہن پر - یہ کام کرنے کے بعد تم دونوں اپنا اپنا خنجر ایک دُوسرے کے سینے میں اُتار دو گے - تم نے سُن لیا - تم یہی کرو گے نا۔"

"جی ہاں ! ہم نے سُن لیا ، ہم یہی کریں گے۔" دونوں ایک ساتھ بولے - ان کی آنکھیں بدستور بند تھیں —

"اچھا اب تم ٹھیک پندرہ منٹ بعد آنکھیں کھولو گے - اور ہدایات کے مطابق عمل کرو گے - تم اس گھر کا پتا بالکل بھول جاؤ گے - ہوش میں رہتے ہوئے تم نے یہاں جو کچھ دیکھا اور سُنا ، اسے بھول جاؤ گے - بس تمھیں میری ہدایات یاد رہ جائیں گی۔"

"جی اچھا۔" دونوں ایک ساتھ بولے -

پروفیسر قادری نے ایک الماری کھولی - اس میں سے دو خنجر نکالے - اور انھیں میز پر رکھ دیا - ان پر ایک نظر ڈالی ، پھر گھڑی کی طرف دیکھا اور کمرے سے نکل گیا —

★

انھوں نے جلدی سے پورے ہال پر ایک نظر ڈالی :

"یہ - یہ تو رگو بابا ہے۔" سیٹھ جلوان کے منہ سے نکلا -

"ہاں ! یہ رگو بابا ہے - اور شاید گہری نیند میں ہے - یا پھر ہو سکتا ہے ، نشے میں ہو - ایک منٹ - میں ابھی آیا۔" انھوں نے کہا اور تیزی سے اُٹھ کر کاؤنٹر کی طرف بڑھے —

"معاف کیجیے گا - ان صاحب کو کیا ہو گیا ہے؟" انھوں نے رگو بابا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا -

"یہ بیمار ہیں - ابھی چند منٹ بعد ان کے رشتے دار یہاں پہنچنے والے ہیں - وہ انھیں لے جائیں گے۔" کلرک بولا -

"انھیں جو صاحب لے کر آئے تھے ، انھوں نے شاید یہی بات آپ کو بتائی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے -

"جی - جی ہاں۔"

"لیکن انھوں نے آپ کو پیسے کس لیے دیے ہیں؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

کلرک نے انھیں تیز نظروں سے دیکھا، پھر مُنہ بنا کر بولا:

"آپ کون ہیں اور یہ باتیں کس لیے پوچھ رہے ہیں؟"

"میں کوئی بھی ہوں۔ مجھے ان صاحب سے ہمدردی ہے۔"

"تو پھر جائیے۔ ہمدردی کیجیے اس سے، ایسا نہ ہو کہ ان کے رشتے دار آجائیں اور آپ ہمدردی نہ کر سکیں۔"

"یہ۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے مُنہ بنایا۔

"آپ خود فرمائیے۔ میں آپ کو اس کے بارے میں کیا بتا سکتا ہوں۔ ابھی ابھی ان صاحب کو ایک صاحب یہاں بٹھا گئے اور کہ گئے کہ میں ان کا خیال رکھوں اور بس۔"

"تو وہ صرف خیال رکھنے کے لیے پیسے دے گئے ہیں؟"

"یہی سمجھ لیں۔" اس نے بھنا کر کہا۔

"شکریہ! کیا آپ اس شخص کو پہچانتے ہیں جو اسے لے کر آیا تھا۔"

"ہاں۔ نہیں۔ میں نہیں جانتا۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"میرا خیال ہے، آپ اسے جانتے ہیں۔ آپ کے حق میں بہتر یہی ہے کہ اس کا نام بتا دیں۔"

"میں نہیں جانتا۔ آپ کون ہوتے ہیں، یہ الفاظ کہنے والے۔"

"اچھی بات ہے۔ اب نتیجے کی ذمے داری آپ پر ہو گی۔" انھوں نے کہا اور جلدی سے فون کا ریسیور اٹھا لیا۔

"یہ کیا۔ آپ کسے فون کر رہے ہیں؟"

"پولیس انسپکٹر شکور صاحب کو۔ کیوں کیا کوئی اعتراض ہے؟"

"آپ ہوٹل کا فون استعمال نہیں کر سکتے۔" اس نے تیز آواز میں کہا۔

بیرے چونک کر ادھر دیکھنے لگے۔ ان کی نظریں کاؤنٹر کلرک پر پڑیں۔ کلرک نے انھیں کچھ اشارہ کیا۔

"ابا جان۔ بچیے۔" اچانک انھوں نے فرزانہ کی آواز سُنی۔ عین اسی وقت سلسلہ مل گیا اور انسپکٹر شکور کی آواز سُنائی دی:

"انسپکٹر شکور پلیز۔"

"انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں۔ ہوٹل باری سے۔ فوراً پہنچیے۔"

"بہت بہتر۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

اس وقت انسپکٹر جمشید اپنا رُخ ہال کی طرف کر چکے تھے، پھر وہ بلا کی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گئے۔ دو کرسیاں پورے زور سے کاؤنٹر سے ٹکرائیں اور فرش پر گر پڑیں۔

"بہت خوب۔ تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی۔" یہ کہتے ہوئے انھوں نے ریسیور رکھ دیا۔

عین اسی وقت ہال میں چاقو کھلنے کی کڑکڑاہٹ گونج اُٹھی،

دُور کھڑے ایک بیرے نے چاقو نکال لیا تھا ، پھر وہ بلا کی رفتار
سے ان کی طرف جھپٹا۔ یہ دیکھ کر فرزانہ گھبرا گئی ، کیوں کہ
ہال کے دوسرے حصّوں سے بھی بیرے ان کی طرف سمٹ رہے
تھے ۔ وہ تیزی سے حرکت میں آئی اور چاقو والے کے راستے
میں آ گئی۔ دوسرے ہی لمحے اس کی ٹانگ آگے بڑھ گئی ۔
چاقو والا دھڑام سے گرا اور پھر اس کے حلق سے ایک لرزہ خیز
چیخ نکلی ۔ وہ بُری طرح اُچھلا اور جب سیدھا ہو کر گرا تو لوگوں
نے دیکھا ، اس کا چاقو اسی کے پیٹ میں دھنسا ہوا تھا۔ ہال
میں موجود لوگوں پر خوف طاری ہو گیا ۔

اتنی دیر میں دوسرے بیرے ان کے نزدیک پہنچ چکے
تھے :

"ان صاحب کو اُٹھا کر باہر پھینک دو ۔" کلرک نے بلند
آواز میں کہا ۔

"میرا خیال ہے ۔ یہ ان لوگوں کے لیے ایک بہت مشکل کام
ہو گا ۔" وہ بولے ۔

"یہ کیا ہو رہا ہے ؟" ایک اور آواز ہال میں گونجی ۔ فوراً
ہی کلرک اور بیرے اس آواز کی طرف گھوم گئے ۔ ایک کمرے
کے دروازے پر گوریلا قسم کا آدمی کھڑا نظر آیا ۔

"یہ ۔ سر ۔ یہ لوگ ۔ انھوں نے ہمارے ایک آدمی کو قتل

کر دیا ہے ۔"

"کیا کہا ۔ قتل کر دیا ہے ۔ تمھارا دماغ تو نہیں چل گیا ۔"
وہ دھاڑا ۔

"نہیں سر ۔ میرا دماغ نہیں چلا ۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے ۔ راجا باری کے ہوٹل کے کسی آدمی
کو کوئی قتل کر دے ۔ نا ممکن ۔ تمھیں ضرور غلط فہمی ہوئی ہے ۔"

"یہ آپ کیا فرما رہے ہیں ۔ مم ۔ مجھے غلط فہمی ہوئی ہے ۔"
کلرک بوکھلا اُٹھا ۔

"ہاں بالکل ۔ میں اتنے کچّے آدمیوں کو مُلازم نہیں رکھتا ۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں سر ۔ وہ خود اپنے ہاتھ میں پکڑے چاقو
سے مرا ہے ۔" ایک بیرے نے گویا خبر سُنائی ۔

"ہاں ! یہ بات میں مان سکتا ہوں ۔"

"لیکن سر ۔ وہ خود نہیں گرا تھا ۔ اس شخص کی ساتھی لڑکی
نے ٹانگ اڑا کر اسے گرایا تھا ۔" کلرک نے جھلا کر کہا ۔

"ہوں ۔ گویا قصور وار یہ لوگ ہیں ۔ خیر ۔ میں ان سے بات
کیے لیتا ہوں اور ہاں ، تم ذرا پولیس کو فون کر دو ۔"

"یہ کام میں کر چکا ہوں ۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے ۔

"کیا مطلب ؟"

"اسی بات پر تو جھگڑا کیا گیا ہے ۔ میں صرف پولیس کو ایک

فون کرنا چاہتا تھا۔ اور یہ فون کرنے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ ہے کوئی تک۔ بھئی آپ کال کا بل وصول کر لیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیوں فاخر۔ تم نے فون کرنے کی اجازت کیوں نہیں دی؟"

"یہ مجھ سے اوٹ پٹانگ قسم کی باتیں پُوچھ رہے تھے، میں نے بتانے سے انکار کیا تو لگے پولیس کو بلانے کی دھمکی دینے۔" کلرک نے کہا۔

"تو کیا ہوا۔ بلا لینے دیتے پولیس۔"

"بس مجھے غُصّہ آگیا۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔ اب معاملہ بڑھ گیا ہے۔ پولیس کو آنا ہی ہو گا۔"

اسی وقت ہوٹل کے ہال میں لمبے اور پتلے دُبلے جسم کا ایک آدمی داخل ہوا۔ اس کی آنکھیں نیلی تھیں۔ انسپکٹر جمشید چونک اُٹھے۔ اس کا انداز بھی عجیب سا تھا۔ بازو جسم کے ساتھ چپکے ہوئے تھے۔ اور چلتے وقت ذرا بھی حرکت نہیں کر رہے تھے۔ وہ صرف ایک سمت میں دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ ایک میز پر بیٹھ گیا۔ کرسی گھسیٹنے کی آواز پورے ہال میں گونج کر رہ گئی۔ راجا باری نے ناخوش گوار انداز

میں اس کی طرف دیکھا، لیکن پھر اس کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہو گئے۔ انسپکٹر جمشید ان باتوں کو محسوس کیے بغیر نہ رہے۔ نہ جانے کیوں۔ انھیں گھبراہٹ کا احساس ہونے لگا۔ انھوں نے گھڑی پر نظر ڈالی اور پھر لاپروائی کے انداز میں بولے:

"پولیس کے آنے تک میں کھڑا کیوں رہوں۔ مَیں کرسی پر بیٹھتا ہوں۔"

یہ کہا اور اپنی میز کی طرف قدم اُٹھا دیے۔ ان کی طرف بڑھنے والے بیرے راجا باری کو دیکھ کر رُک گئے تھے، گویا حکم کے منتظر تھے، لیکن راجا باری نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ وہ تو بوکھلائے ہوئے انداز میں نیلی آنکھوں والے کو دیکھ رہا تھا۔

اور پھر انسپکٹر مشکور ہوٹل کے دروازے پر نمودار ہوا۔ اس کے ساتھ چند کانسٹیبل بھی تھے۔ اندر داخل ہوتے ہی اس نے پورے ہال پر ایک نظر ڈالی اور پھر حیران ہو کر بولا:

"معلوم ہوتا ہے۔ کوئی حد درجے ناخوش گوار واقعہ ہو گیا ہے۔"

"ہاں انسپکٹر صاحب۔ ان صاحب کی وجہ سے میرا ایک ملازم

ماراگیا۔ انہیں گرفتار کر لیں۔" راجا باری نے فوراً کہا۔
اور ہاتھ سے انسپکٹر جمشید اور فرزانہ کی طرف اشارہ بھی
کیا۔

انسپکٹر مشکور کی نظریں ان پر جم گئیں، پھر اس کے
قدم ان کی طرف اُٹھنے لگے۔ کرسی پر بیٹھنے کے بعد وہ
بولا:

"کیا معاملہ ہے؟"

انھوں نے مختصر الفاظ میں واقعہ سُنا دیا:

"اوہ۔ اس کی یہ جرأت۔" انسپکٹر مشکور دانت پیس کر بولا،
لہجے میں نفرت بھی تھی، لیکن پھر فوراً ہی اس کے چہرے پر
مُسکراہٹ پھیل گئی، وہ اُٹھتے ہوئے بولا:

"آئیے باری صاحب۔ آپ بھی یہیں تشریف رکھیے۔"

انھوں نے دیکھا۔ راجا باری نزدیک آ گیا تھا، پھر وہ
بھی ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ مرنے والا بیرا ابھی تک جُوں
کا توں پڑا تھا:

"میرا ایک آدمی جان سے جا چکا ہے اور آپ ہیں کہ قاتلوں
کے ساتھ بیٹھے ہیں۔"

"دونوں فریقوں کے بیانات سنوں گا اور پھر جس کی زیادتی
ہو گی۔ اسے گرفتار کروں گا، فکر نہ کریں باری صاحب۔"

انسپکٹر مشکور کے لہجے میں نرمی تھی۔ وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ
سکے۔

"ہاں انسپکٹر صاحب۔ یہاں کیا ہوا ہے۔ یہ آدمی کیسے مرا۔"
اس نے ان کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

"انسپکٹر صاحب۔ تو کیا یہ بھی انسپکٹر ہیں۔" راجا باری نے بوکھلا
کر کہا۔

"جی ہاں۔ مہربانی فرما کر پہلے ان کا بیان سن لیجیے۔" انسپکٹر
مشکور نے کہا۔

"نہیں۔ اس صورت میں مجھے آپ سے انصاف کی امید
نہیں۔ اب میں ایس پی صاحب کو فون کروں گا۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔ اگر آپ انہیں بلانا چاہتے ہیں تو ضرور
بلا لیں۔" انسپکٹر مشکور نے کندھے اچکائے۔

"ہاں۔ ضرور۔ ایسا ہی کرنا ہو گا۔" راجا باری نے کہا اور
کلرک کی طرف مڑا:

"ایس پی صاحب کو فون کرو۔"

"بہت بہتر سر۔" اس نے جواب دیا اور ریسیور اٹھا کر
فون کرنے لگا۔ عین اسی وقت فرزانہ نے انسپکٹر جمشید کے چہرے
پر خوف کے آثار دیکھے۔ پھر وہ تیزی سے اٹھے اور رگو بابا کی
میز پر جا بیٹھے۔ انسپکٹر مشکور، راجا باری اور سیٹھ جلوان کے

چہروں پر حیرت کے آثار پیدا ہوئے۔ عین اسی وقت شیشے کی کوئی چیز ہوٹل کی دیوار سے پوری طاقت سے ٹکرائی اور چکنا چور ہو گئی۔ ساتھ ہی لوگوں نے ایک کرسی کے گرنے کی آواز سنی تھی۔ کرسی رگو بابا کی تھی۔

اجازت نامہ

"ارے۔ یہ کیا ہوا۔" ہال میں کئی آوازیں ابھریں، پھر کچھ لوگوں کی نظریں شیشے کے ٹکڑوں پر جم گئیں۔

"کچھ نہیں۔ شیشے کا ایک ایش ٹرے ٹوٹ گیا ہے گر کر۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔ اب ان کا رُخ نیلی آنکھوں والے کی طرف تھا۔ اس کی آنکھوں میں اُلجھن، بے چینی اور پریشانی کے آثار صاف تھے۔ ادھر رگو بابا نیچے گرنے کے بعد بے ہوش ہو گیا تھا۔ یا شاید اس میں اُٹھنے کی سکت ہی نہیں رہ گئی تھی۔

اچانک پتلا دبلا اور نیلی آنکھوں والا آدمی ایک جھٹکے سے اُٹھا اور تیز تیز قدم اُٹھاتا باہر نکل گیا:

"انسپکٹر صاحب۔ اسے جانتے ہیں؟"

"ہاں۔ یہ اس قصبے کا ایک پُراسرار ترین آدمی ہے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ کالے علم کا ماہر ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ جادوگر ہے۔ ویسے یہ بیماریوں کا علاج بھی کرتا ہے۔ لوگ اسے دیکھ

کر خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"یہ کہاں رہتا ہے؟" انسپکٹر جمشید نے جیسے ان کا سوال سُنا ہی نہیں —

"اس کا نام پروفیسر قادری ہے۔ قصبے کے جنوبی سرے پر اس کی کوٹھی ہے۔"

"اور اس کی آنکھیں کس قدر نیلی ہیں۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"یہ رگو بابا کو کیا ہوا تھا؟"

"پتا نہیں۔ شاید یہ نشے میں ہے۔ بس گر گیا۔ ساتھ ہی کرسی بھی گر گئی۔" وہ بولے۔

"آپ۔ آپ کچھ چھپا رہے ہیں۔"

"دیکھیے جناب۔ آپ اپنی باتوں میں مشغول ہو گئے۔ پہلے میرے معاملے سے نبٹ لیجیے۔ اب کیا کرنا ہے۔"

"ہاں بتائیے۔ آپ کا آدمی کیسے ہلاک ہوا؟"

اس نے تفصیل سنا دی —

"گویا انسپکٹر صاحب کا قصور صرف اتنا ہے کہ انھوں نے بغیر اجازت فون کیا۔ اور یہ آپ کے کلرک سے صرف یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ جو شخص رگو بابا کو چھوڑ کر گیا ہے۔ وہ کون ہے۔"

"وہ۔ کلرک کا کہنا ہے کہ وہ اسے نہیں جانتا۔" راجا باری نے فوراً کہا —

"لیکن میرا دعویٰ ہے کہ وہ اسے پہچانتا تھا۔ اور شاید یہاں اکثر آتا رہتا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس صورت میں آپ کے کلرک کو اس شخص کا نام بتانا ہو گا۔" انسپکٹر مشکور بولے۔

"میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ آپ سے انصاف کی امید نہیں کی جا سکتی، کیوں کہ میرے مقابلے میں آپ کا ایک ہم پیشہ موجود ہے۔ اب میں خود ایس پی صاحب کو فون کرتا ہوں، تاکہ وہ فوراً آجائیں۔"

"اچھی بات ہے۔ پہلے آپ ایس پی صاحب کو فون کر لیں۔" انسپکٹر جمشید نے جل بھن کر کہا۔

"شکریہ۔ میں ابھی آیا۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا، پھر وہ بیروں سے بولا:

"ان صاحب کو اُٹھا کر کسی صوفے پر ڈال دو۔"

"نہیں جناب۔ یہ یہیں ٹھیک ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی۔ کیا فرمایا۔ یہ یہیں ٹھیک ہیں۔"

"ہاں! کہیں پھر نہ گر پڑیں۔" وہ بولے۔

"آپ شاید مذاق کے موڈ میں ہیں۔" راجا باری نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا۔

"ہرگز نہیں۔ میری درخواست ہے، آپ انھیں اسی طرح

پڑے رہنے دیں۔"

"عجیب بات ہے۔ خیر۔" راجا باری نے کہا اور اُٹھ کر کاؤنٹر پر چلا آیا۔ فون کا ریسیور اٹھایا اور نمبر گھمانے لگا۔ مڑ مڑ کر ان کی طرف بھی دیکھ رہا تھا:

"بات پلّے نہیں پڑی۔ آخر یہ کیا ہو رہا ہے۔" انسپکٹر شکور نے اُلجھن کے عالم میں کہا۔

"بات صرف اور صرف اتنی ہے کہ سیٹھ بعلوان کا ہوٹل تباہ کر دیا گیا ہے۔ اور یہ کام اسی شخص کا ہے جس نے ہوٹل میں تین آدمیوں کو قتل کروایا یا کیا۔ حادثے سے کچھ ہی دیر پہلے ہم ہوٹل میں موجود تھے، خطرہ محسوس ہوا تو باہر نکل آئے اور پھر دھماکا ہو گیا۔ سارا ہوٹل جلنے کا ڈھیر بن گیا۔ میں انھیں لے کر یہاں آ بیٹھا۔ انھیں سکون کی ضرورت تھی۔ جلد ہی ایک شخص رگو بابا کو لے کر یہاں آیا، اس نے کلرک سے کچھ بات کی، اسے کچھ نوٹ بھی دیے اور رگو بابا کو بٹھا کر چلا گیا، مجھے بہت حیرت ہوئی، کیوں کہ رگو بابا سے کچھ کام اس نامعلوم آدمی نے لیا ہے؛ چنانچہ میں نے کاؤنٹر کلرک سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو رگو بابا کو یہاں چھوڑ گیا تھا، لیکن اس نے بتانے سے انکار کر دیا، اس پر میں نے فون کرنا چاہا تو یہ لوگ حملہ آور ہو گئے۔ اس سلسلے میں خود اپنے ہی ہاتھ

سے ایک بیرا مارا گیا۔ میں صرف اس آدمی کا نام جاننا چاہتا ہوں جو رگو بابا کو یہاں چھوڑ گیا ہے۔"

"لیکن رگو بابا کو کیا ہوا۔ وُہ کیسے گر گیا۔" انسپکٹر مشکور کے لہجے میں ابھی تک اُلجھن تھی۔

"رگو بابا غالباً نشے میں ہے۔" انھوں نے جواب دیا۔

"ہوں۔ ٹھہریے، میں خود کلرک سے بات کرتا ہوں۔" اس نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"کلرک اس طرح زبان نہیں کھولے گا۔ اس کے ساتھ دُوسرا طریقہ اختیار کرنا ہوگا۔" وُہ بولے۔

"میں کوشش کرکے دیکھ لوں۔"

انسپکٹر شکور نے کہا اور کاؤنٹر کی طرف چل پڑا۔ اسی وقت راجا باری نے ریسیور رکھ دیا اور ان کی طرف مڑا:

"اب شاید آپ صلح کرانے کی کوشش کریں گے۔" اس نے طنزیہ لہجے میں انسپکٹر مشکور سے کہا۔

"جی نہیں۔ میں آپ کے کلرک سے صرف اتنا پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس شخص کا نام کیا ہے جو رگو بابا کو یہاں چھوڑ گیا ہے۔"

"میں اسے نہیں جانتا۔" کلرک نے فوراً کہا۔

"لیکن اس نے آپ کو کچھ کرنسی نوٹ دیے تھے؟"

"وُہ اس لیے کہ اگر رگو بابا کو کچھ کھلانا پلانا پڑے تو ہوٹل

کا نقصان نہ ہو۔"

"میرے ساتھ جو انسپکٹر ہیں، کوئی معمولی آدمی نہیں — انسپکٹر جمشید ہیں — ان کا کہنا ہے کہ آپ اس شخص کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔"

"ان کا خیال غلط ہے — ان کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے۔"

"اگر آپ اس شخص کا نام بتا دیں تو یہ جھگڑا اسی وقت ختم ہو جائے گا۔"

"لیکن ہم جھگڑے کو ختم کرنا نہیں چاہتے — ایس پی صاحب آنے ہی والے ہیں — میں اس بیرے کے خون کا حساب لوں گا۔"

"لیکن وہ اپنے ہی ہاتھ سے مرا ہے۔"

"اور ان لوگوں کی وجہ سے مرا ہے۔"

تو ان پر حملہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" انسپکٹر مشکور نے تلملا کر کہا۔

راجا باری نے کوئی جواب نہ دیا — انسپکٹر مشکور بُرے بُرے مُنہ بناتا واپس ہوا —

"میں نے کہا تھا نا — یہ اس طرح نہیں بتائے گا — ایس پی کے اس سے کیا تعلقات ہیں؟"

"یہ اس کا سالا ہے۔"

"اوہ — اسی لیے۔" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں گہرا طنز جھلک اٹھا۔

اور پھر بھاری قدموں کی آواز گونج اٹھی — ایس پی ایک بھاری بھر کم آدمی تھا، اس کے پیچھے کچھ اور لوگ بھی تھے:

"کیا معاملہ ہے باری؟"

راجا باری جلدی جلدی معاملہ بتانے لگا — یہاں تک کہ ایس پی کی نظریں ان پر جم گئیں — پھر اس کے قدم ان کی طرف اٹھ گئے — انسپکٹر مشکور کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار طاری ہو گئے — اس نے جلدی سے سیلوٹ کیا:

"میں تمہیں اتنا ناکارہ نہیں سمجھتا تھا مشکور — تمہارے یہاں ہوتے ہوئے مجھے کیوں آنا پڑا۔"

"مجبوری تھی سر — باری صاحب نے میری تجویز نہیں مانی اور آپ کو فون کر دیا۔"

"نہیں مانی تھی تو تم ان کی تجویز مان لیتے۔"

"میں ایسا نہیں کر سکتا تھا سر — معاملہ انسپکٹر جمشید صاحب کا ہے۔"

"کیا مطلب؟" ایس پی نے حیران ہو کر کہا اور پھر اس کی نظریں ان پر جم گئیں:

"آپ انسپکٹر جمشید ہیں؟" اس نے بے یقینی کے عالم میں کہا۔

"جی ہاں۔"

"آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"صرف اس شخص کا نام جاننا چاہتا ہوں جو رگو بابا کو یہاں چھوڑ گیا ہے۔"

"کلرک کا کہنا ہے کہ اسے اس کا نام نہیں معلوم۔" ایس پی نے فوراً کہا۔

"اور میرا دعویٰ ہے کہ یہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ اور میں یہ بات ثابت کر دوں گا۔"

"کیسے؟"

"اسے تھانے لے چلیے۔"

"اس کا جرم؟" ایس پی نے پوچھا۔

"اس کے اشارے پر یہاں کے بیروں نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا۔ جس کا ثبوت یہ بیرا ہے جو مرا پڑا ہے۔ اس خنجر پر اس کی اپنی انگلیوں کے نشانات ہیں۔"

ایس پی نے لاجواب ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا، آخر بولا:

"دیکھیے۔ اس معاملے کو یہیں ختم کر دیتے ہیں۔"

"نہیں جناب۔ یہ ناممکن ہے۔"

"میں آپ کو اس کلرک پر تشدد کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اس قصبے کا انچارج میں ہوں۔" ایس پی نے سرد آواز میں کہا۔

"اگر یہ بات ہے تو اس پورے ملک کا انچارج میں ہوں، اب آپ کیا کہتے ہیں؟"

"کیا مطلب۔ پورے ملک کے انچارج۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

"یہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ سچے وطن پرست اس پورے ملک کے انچارج ہیں۔ اگر وہ انچارج نہیں ہوں گے تو پھر ملک میں جگہ جگہ یہی کچھ ہوگا جو اس وقت یہاں ہوا ہے، مہربانی فرما کر ہمیں اس کلرک کو تھانے لے جانے دیجیے۔ یہ میری آپ سے درخواست ہے۔ اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہو گی۔ میں بہت سادہ طریقے سے اس سے اگلواؤں گا۔"

"میں اجازت نہیں دے سکتا۔"

"کیا اس لیے کہ یہ آپ کے سالے کا کلرک ہے؟"

"نہیں! صرف اس لیے کہ اس قصبے کا انچارج میں ہوں اور یہاں میں اپنی مرضی سے کام کرنا پسند کرتا ہوں۔ دوسرے شہروں سے آفیسر آ کر مجھ پر رعب نہیں جما سکتے۔"

"شکریہ۔ یہ ملاحظہ فرمائیے۔" انسپکٹر جمشید نے جیب میں سے اپنا خصوصی اجازت نامہ نکال کر اس کے سامنے کر دیا۔

"یہ کیا؟" اس نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"پڑھ لیں۔" وہ بولے۔

ایس پی نے جلدی جلدی اجازت نامہ پڑھا اور پھر اس کا چہرہ لٹک گیا — انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا :

"مشکور صاحب — کلرک کو لے چلیے ۔"

ہال میں موجود لوگ دھک سے رہ گئے — سب سے بُرا حال راجا باری کا تھا —

"اور رگو بابا کو بھی ساتھ لے چلنا ہے ۔" انسپکٹر جمشید نے انسپکٹر مشکور سے کہا۔

"رگو بابا کو لے جا کر کیا کریں گے ؟"

"یہ میں بعد میں بتاؤں گا ۔"

تھوڑی دیر بعد وہ ان دونوں کو لے کر تھانے کی طرف روانہ ہو چکے تھے — راجا باری ، ایس پی اور بیرے ہال میں ساکت کھڑے تھے ۔ یوں لگتا تھا جیسے انھیں سانپ سونگھ گیا ہو۔

"رگو بابا والا معاملہ سمجھ میں نہیں آیا ۔" انسپکٹر مشکور نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"تو کیا ہوا — اب سمجھ میں آ جائے گا ۔" فرزانہ نے مسکرا کر کہا —

"ہم — میرا خیال ہے ابا جان ۔" فرزانہ نے کچھ کہنا چاہا، لیکن پھر رُک گئی —

"شاید تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ ہمارا تعاقب ہو رہا ہے ۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی — جی ہاں ۔" وہ جلدی سے بولی۔

"میں پہلے ہی محسوس کر چکا ہوں — فکر نہ کرو ۔"

"اوہو — کیا واقعی ۔" انسپکٹر مشکور نے چونک کر کہا۔

"جی ہاں — بہت منظم انداز میں تعاقب کیا جا رہا ہے — پُر سکون انداز میں بیٹھے رہیے — آپ کا ڈرائیور تو ماہر ہے نا ؟"

"اتنا ماہر نہیں ہے ۔"

"اوہو — ابا جان ہوشیار — پچھلی گاڑی کی رفتار اچانک بڑھ گئی ہے ۔"

"ہاں ! شاید وہ آگے نکل کر راستہ روکنا چاہتے ہیں — چلو یہ بھی سہی — ڈرائیور صاحب انھیں راستہ دے دیں اور خود گاڑی آہستہ کرتے ہوئے اچانک روک دیں ۔"

"جی بہتر ۔" اس نے کہا اور گاڑی ایک طرف کر لی۔

فوراً ہی پچھلی کار زوں کر کے گزری اور ان کی جیپ اُلٹ گئی — کار کے ڈرائیور نے بہت مہارت سے سائڈ ماری تھی۔ وہ جیپ سے نکلے اور دھک سے رہ گئے — کچھ نامعلوم لوگ

پستول تانے ان کے سروں پر کھڑے تھے :

" ہاتھ اوپر اٹھا دو دوستو۔" ان میں سے ایک نے مسکرا کر کہا۔

ان کے ہاتھ اُٹھ گئے۔

" کیا چاہتے ہو؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

" تمھاری دخل اندازی بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ اب تمھیں روکنا ضروری ہو گیا۔" اس نے گویا خبر سُنائی۔

" لیکن یہ دخل اندازی روکنے کا کون سا طریقہ ہے؟" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا اور پھر ان کے چہرے پر حیرت کے آثار پھیل گئے، پستول ان کی جیب میں نہیں تھا۔ شاید جیپ اُلٹنے کی وجہ سے نکل گیا تھا۔

"کیا مطلب؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

" بھئی آگے نکل کر راستہ روک لیتے۔ جیپ کو اُلٹنے کی کیا ضرورت تھی۔"

" دشمن کو بدحواس کرکے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔" وہ ہنسا۔

" بہت خوب۔ اب تم کیا چاہتے ہو؟"

" اپنے ہاتھ بندھوا لو۔ تم لوگوں کو ایک نامعلوم جگہ لے جانا ہے۔"

انسپکٹر جمشید سمجھ گئے کہ ان کا کیا پروگرام ہے۔ نامعلوم جگہ لے جا کر ختم کرنا چاہتے تھے؛ چنانچہ انھوں نے گردو پیش کا جائزہ لیا اور پھر بولے :

" ٹھیک ہے۔ باندھ لو ہمارے ہاتھ۔"

" چلو منگو۔ باندھو انھیں۔"

انسپکٹر جمشید نے اس وقت عجیب سی بے بسی محسوس کی۔ اگر ان کے ساتھ انسپکٹر شکور، رگو بابا، کلارک اور سیٹھ جھلوان نہ ہوتے تو وہ ان لوگوں سے نہایت آسانی سے نبٹ سکتے تھے، لیکن ان کی موجودگی نے انھیں کسی قابل نہیں رہنے دیا تھا۔

جوں ہی منگو آگے بڑھا۔ ایک فائر ہوا اور حملہ آوروں میں سے ایک کے ہاتھ سے پستول نکل گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل سکتے تین فائر اور ہوئے۔ اور بقیہ تینوں کے ہاتھوں سے بھی پستول نکل گئے۔ منگو ہاتھ باندھنے کے چکر میں پستول جیب میں رکھ چکا تھا۔ اس نے پستول نکالنے کے لیے جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ انسپکٹر جمشید نے بجلی کی سی تیزی سے اس پر چھلانگ لگائی، وہ دُور لڑھک گیا اور اس کا پستول انسپکٹر جمشید کے ہاتھ میں نظر آیا :

" کتنے بے وقوف لوگ ہیں، تعاقب کرنے سے پہلے یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ جن کا تعاقب کرنا ہے، ان کی

تعداد کتنی ہے۔"

ایک درخت پر سے فرزانہ کی چہکتی آواز سنائی دی۔ اور وہ نیچے اُترنے لگی۔

" لیکن فرزانہ ۔ پستول تمھارے ہاتھ کہاں سے لگا؟" انسپکٹر جمشید بولے ۔

" آپ کا پستول جس جگہ گرا ۔ وہیں میں گری ، پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میں پستول نہ اٹھاتی ۔ میں نے پستول اٹھایا اور لڑھک گئی ۔ پھر درخت کی اوٹ لے لی ۔ آبادی کے درمیان میں یہ تھوڑا سا علاقہ جنگل ہی معلوم ہوتا ہے ۔ جب ان کے ہاتھوں میں پستول دیکھے تو اوپر چڑھنے لگی ۔ اوپر سے ان کا نشانہ لینا بہت آسان ثابت ہوا۔"

" ویری گڈ ۔ انسپکٹر شکور صاحب ۔ آئیے ، اب ان لوگوں کو باندھیں۔"

آدھ گھنٹے بعد وہ سب کے ساتھ تھانے پہنچ گئے ۔ ان سب کو کمرۂ خاص میں لے جایا گیا :

" سب سے پہلے کلرک بتائے گا ۔ رگو بابا کو کون ہوٹل باری تک لایا تھا۔" انسپکٹر جمشید بولے اور ساتھ ہی ان کے اشارے پر کلرک کے جسم کے گرد ایک پیٹی سی لپیٹی جانے لگی ۔ اس پیٹی کے اوپر ایک پیچ لگا ہوا تھا ۔ کانسٹیبل اس

پیچ کو گھمانے لگا ۔ جلد ہی کلرک کو اپنا سانس سینے میں اٹکتا محسوس ہونے لگا ۔ اور وہ پکار اُٹھا :

" وہ ۔ وہ وکیل باسط راہی تھا۔"

" باسط راہی۔" انسپکٹر شکور کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا اور پھر اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے ۔

" کیوں ۔ کیا بات ہے؟" انسپکٹر جمشید بولے ۔

" باسط راہی وکیل کا تعلق اس پُر اسرار آدمی پروفیسر قادری سے بتایا جاتا ہے ۔ لوگوں نے کئی بار اسے پروفیسر قادری کی کوٹھی میں جاتے دیکھا ہے۔"

" اور وہی پروفیسر قادری ہوٹل کے ہال میں موجود تھا۔" فرزانہ بڑبڑائی ۔

" ہاں ۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ۔ یہ چکر کیا ہے۔" انسپکٹر شکور نے کہا ۔

" فکر نہ کریں ۔ اب ان نئے حملہ آوروں کو آگے لائیے اور ان سے پوچھیے ۔ انھیں کس نے ہمارے تعاقب پر مامور کیا تھا۔"

ان لوگوں کو بھی ویسی ہی پیٹیاں لپیٹی گئیں ۔ جلد ہی وہ چلّا اُٹھے :

" ٹھہرو ۔ ہم بتاتے ہیں۔"

"پھر بعد میں جائیں گے، پہلے بتا دو۔" فرزانہ مسکرائی۔

"ہم۔۔ ہم راجا باری کے ملازم ہیں۔ انھوں نے ہی ہمیں آپ کا تعاقب کرنے اور ختم کرنے کا حکم دیا تھا۔"

"ویری گڈ۔ یہ ہوئی نا بات۔ لیجیے انسپکٹر صاحب۔۔ ایس پی صاحب کے سالے تو گئے کام سے۔ آپ اس کی گرفتاری کا انتظام کریں۔ میں ذرا باسط راہی سے مل آؤں۔ اس کا پتا تو آپ کو معلوم ہو گا۔"

"جی ہاں۔ ملت ٹاؤن کوٹھی نمبر ۱۲۔"

"شکریہ۔ جلدی کریں۔ کہیں راجا باری فرار نہ ہو جائے اور ہاں رگو بابا اور سیٹھ بھلوان کی حفاظت کے لیے بھی دو چار آدمی مقرر کر دیں۔"

"جی بہتر۔"

انسپکٹر جمشید نے فرزانہ کو ساتھ لیا اور چل پڑے۔۔ ملت ٹاؤن میں کوٹھی نمبر بارہ تلاش کرنے میں انھیں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ فرزانہ نے گھنٹی بجائی۔ فوراً ہی ایک ملازم نے دروازہ کھولا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"خیر تو ہے بھئی؟"

"آپ۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"وکیل صاحب سے ملنا ہے۔"

"وہ۔ وہ۔ انھیں تو پتا نہیں کیا ہو گیا ہے۔ کسی کی بات کا جواب ہی نہیں دے رہے ہے۔"

"کیا مطلب۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔۔

ہم وہاں ہیں

"جی ہاں! ان کی زبان بند ہو گئی ہے۔ ہاتھ پیر بھی حرکت نہیں کر رہے۔ جب کہ تھوڑی دیر پہلے بالکل ٹھیک تھے۔"

"مہربانی فرما کر ہمیں ان کے پاس لے چلیے۔ شاید ہم ان کے لیے کچھ کر سکیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی بہتر۔ آئیے۔ ان کے کمرے میں ہی جانا ہو گا۔"

"کوئی بات نہیں۔"

وہ اندر داخل ہوئے۔ ملازم نے گھر کے افراد کو ایک طرف ہو جانے کے لیے کہا اور پھر وہ کمرے میں داخل ہوئے۔ رگو بابا کو ہوٹل باری کے ہال میں لانے والا شخص بستر پر لیٹا تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں جو چھت کو گھور رہی تھیں اور جسم بالکل ساکت تھا۔

"مسٹر باسط راہی۔ آپ کو کیا ہوا؟"

اس کے جسم میں کوئی حرکت نہیں ہوئی۔ یوں محسوس ہوا جیسے

اس نے ان کی بات کو سنا ہی نہ ہو۔

"ڈاکٹر کو نہیں بلایا؟"

"فون کر دیا گیا ہے۔ آتے ہی ہوں گے۔"

"یہ حالت ان کی کب سے ہے؟"

"تھوڑی دیر پہلے بالکل ٹھیک تھے۔ ایک صاحب ان سے ملاقات کے لیے آئے تھے۔ جوں ہی وہ گئے۔ یہ اپنے بستر پر آ کر لیٹ گئے اور اس کے بعد انھوں نے کسی کی بات کا جواب نہیں دیا۔ نہ خود کوئی بات کی۔ گھر کے لوگ پکار پکار کر تھک گئے۔"

"اس آدمی کا حلیہ کیا تھا۔ جو ملنے آیا تھا۔"

"مجھے تو صرف اتنا معلوم ہے کہ اس کی آنکھیں نیلی تھیں۔"

"اوہ۔ آؤ فرزانہ۔ ہمیں اس نیلی آنکھوں والے کا بندوبست کرنا ہی ہو گا۔ یوں کام نہیں چلے گا۔"

"جی۔ کیا مطلب؟"

"یہ چکر اسی نیلی آنکھوں والے نے چلایا ہے۔ سنا ہے، وہ جادوگر ہے۔ خیر آپ لوگ فکر نہ کریں۔ ہم اسے پکڑ کر یہیں لائیں گے اور پھر وہ وکیل صاحب کو اصلی حالت پر لائے گا۔" یہ کہہ کر وہ باہر کی طرف مڑے، عین اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔

"شاید ڈاکٹر صاحب آگئے" ملازم نے کہا اور باہر کی طرف دوڑا ۔

"کیوں نہ ڈاکٹر کی رائے معلوم کرتے چلیں" فرزانہ نے رائے پیش کی ۔

"وقت نہ ضائع ہو جائے ۔ خیر یہ بھی سہی" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے ۔

قدموں کی آواز سنائی دی اور پھر لمبے قد کا ایک ڈاکٹر اندر داخل ہوا :

"کیا ہوا بھئی انھیں" وہ بولا ۔

"جی ۔ پتا نہیں ۔ نہ بول رہے ہیں ، نہ حرکت کر رہے ہیں"

"ہوں ! میں دیکھتا ہوں"

ڈاکٹر نے معائنہ شروع کیا ۔ اس کا معائنہ پندرہ منٹ تک جاری رہا ۔ اب اس کے چہرے پر حیرت کے آثار نمودار ہو چلے تھے ۔ آخر اس نے کہا :

"حیرت کی بات ہے ۔ ان کا پورا جسم بالکل ٹھیک ہے ۔ کہیں کوئی گڑبڑ نہیں ہے ۔ زبان بھی بالکل ٹھیک ہے"

"تب پھر ۔ ڈاکٹر صاحب ۔ یہ بولتے کیوں نہیں ۔ حرکت کیوں نہیں کرتے"

"اسی بات پر تو مجھے حیرت ہے"

"آؤ فرزانہ ۔ ہم چلیں" انسپکٹر جمشید بولے ۔

ڈاکٹر نے چونک کر ان کی طرف دیکھا اور وہ باہر نکل آئے ۔ جوں ہی کوٹھی سے باہر نکلے ، انھیں ایک جھٹکا لگا ۔ محمود اور فاروق ان کے سامنے کھڑے تھے ۔ ان کے چہروں پر عجیب سی کیفیت طاری تھی ۔

"تم دونوں کو کیا ہوا اور یہاں کیسے پہنچ گئے ؟"

انھوں نے کوئی جواب نہ دیا ۔ مشینی انداز میں ان کے ہاتھ اپنی پنڈلیوں کی طرف گئے ۔ ہاتھ اوپر اُٹھے تو ان میں خنجر تھے ۔

اچانک وہ ان کی طرف جھپٹے ۔ خنجروں والے ہاتھ بلند ہوئے اور ان کے جسموں کی طرف بڑھے ۔ ایسے میں فرزانہ کے منہ سے ایک بلند چیخ نکلی ، وہ بجلی کی طرح تڑپی اور ان کے درمیان میں آگئی ۔ قریب تھا کہ دونوں خنجر فرزانہ کے جسم کے پار ہو جائیں ۔ خنجروں والے دونوں ہاتھ انسپکٹر جمشید کی گرفت میں آگئے ۔ انھوں نے دو تین جھٹکے دیے اور خنجر زمین پر گر گئے ۔ فرزانہ تیزی سے جھکی اور خنجر اُٹھا لیے ۔

"تم دونوں کا دماغ تو نہیں چل گیا" انسپکٹر جمشید چلّائے ۔

"یا پھر تم نقلی محمود اور فاروق ہو"

انھوں نے اب بھی کوئی جواب نہ دیا۔ اسی وقت ان کی نظریں ایک ٹیکسی ڈرائیور پر پڑیں۔ وہ بھونچکا سا اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔

"کیا یہ آپ کی ٹیکسی میں بیٹھ کر یہاں تک آئے ہو۔" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"ج۔ جی ہاں۔ میری ٹیکسی میں تو یہ بہت دیر سے سفر کر رہے ہیں۔ یعنی میں کافی دیر سے ان کے ساتھ ہوں۔"

"یہ اس وقت کہاں سے آ رہے ہیں؟"

"پروفیسر قادری کے ہاں سے۔ یہ اس سے ملے تھے۔"

"اوہ۔ پروفیسر قادری۔ تب یہ سارا کیا دھرا اس کا ہے، باسط راہی کی اس عجیب حالت کا ذمے دار بھی وہی ہے۔ ہمیں فوری طور پر اس تک پہنچنا ہے، لیکن ہم ان دونوں کا کیا کریں۔ ضرور اسی نے ان کا دماغ الٹا ہے۔"

"انھیں بھی تھانے پہنچا دیتے ہیں اور بے ہوشی کی دوا دے دیتے ہیں۔"

"ہاں۔ یہ ٹھیک رہے گا۔"

اس ترکیب پر عمل کیا گیا اور پھر وہ پروفیسر قادری کی طرف روانہ ہوئے۔

"لیجیے جناب۔ وہ رہی کوٹھی۔" ٹیکسی ڈرائیور شریف بھائی نے

ٹیکسی روکتے ہوئے کہا۔

"آؤ فرزانہ۔" انسپکٹر جمشید نے اترتے ہوئے کہا۔

دونوں آگے بڑھے۔ شریف بھائی کو انھوں نے انتظار کے لیے کہہ دیا تھا۔ فرزانہ نے گھنٹی بجائی۔ ایک منٹ کے انتظار کے بعد اس نے پھر گھنٹی بجائی، لیکن کوئی بھی دروازہ کھولنے کے لیے نہ آیا۔ اب انسپکٹر جمشید آگے بڑھے۔ دروازے پر دباؤ ڈالا تو وہ کھل گیا۔ دونوں اندر داخل ہوئے۔ پوری کوٹھی سائیں سائیں کر رہی تھی۔ اندر کسی کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ کوٹھی کے تمام کمرے خالی پڑے تھے۔ ان میں فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ صرف دو کمروں میں فرنیچر موجود تھا۔ ایک میں چند کرسیاں اور دوسرے میں ایک میز اور دو کرسیاں۔ دیوار کے ساتھ گدے دار کرسی تھی اور سامنے عام کرسیاں۔

"گویا پروفیسر قادری یہاں بیٹھتا رہا ہے۔ ملاقاتیوں کو وہ سامنے والی کرسیوں پر بٹھاتا تھا۔ اور انتظار کرنے والے ساتھ والے کمرے میں۔ سوال یہ ہے کہ وہ بھاگ کیوں گیا اور کہاں؟"

"اس کے لیے ہمیں سب سے پہلے محمود اور فاروق کو درست حالت میں لانا ہو گا۔ ہو سکے تو باسط راہی کو بھی۔ دوسری

طرف سے راجا باری اور ہوٹل کے کلرک سے بات کرنا ہو گی ــ
شاید ہم کوئی کام کی بات معلوم کر لیں۔"

وہ وہاں سے واپس روانہ ہوئے ۔تھانے پہنچے ۔ انسپکٹر
مشکور اس وقت تک راجا باری اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار
کر چکا تھا ۔ انسپکٹر جمشید نے دارالحکومت میں کسی کے فون نمبر
گھمائے اور سلسلہ ملنے پر بولے :

" ہیلو پروفیسر عاقل ۔ انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں ۔آپ کا فوری
طور پر یہاں پہنچنا ضروری ہے۔" یہ کہہ کر انھوں نے قصبے کا
نام بتایا اور ریسیور رکھ دیا۔

" یہ لوگ کیا کہتے ہیں انسپکٹر مشکور صاحب ؟" انھوں نے
پوچھا ــ

" صرف اتنا کہ یہ لوگ پروفیسر قادری کے ہاتھ میں کٹھ پتلی
بنے ہوئے ہیں ۔ جو وہ کہہ دیتا ہے ، یہ لوگ اس پر عمل
کر ڈالتے ہیں ۔ عمل کر ڈالنے پر خود کو مجبور پاتے
ہیں ۔ یہ نہیں جانتے ۔ وہ پروفیسر قادری کا حکم ماننے پر
کیوں مجبور ہیں ۔جب کہ وہ انھیں کوئی تنخواہ نہیں دیتا ۔
اس کے باوجود پروفیسر قادری کا حکم ان کے لیے ایسا ہی ہے
جیسے ملک کا صدر حکم دے دے۔"

" ہوں ۔ اس کا مطلب ہے ۔پروفیسر قادری نے ان پر بھی

اپنا جادو چلا رکھا ہے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

" جی ہاں ابا جان ۔ یہ تو اسی بات سے ثابت ہے کہ محمود
اور فاروق ہم پر قاتلانہ حملہ کرنے پر تیار ہو گئے۔" فرزانہ نے
کہا ــ

" ہوں ، لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اس نے تین
آدمیوں کو ہوٹل افشاں کے ہال میں کیوں قتل کیا ؟"

" اور رگو بابا کو تو آپ کی پھرتی نے بچا لیا ۔" فرزانہ مسکرائی۔

" کیا مطلب ؟" انسپکٹر مشکور نے حیران ہو کر کہا۔

" اگر ابا جان رگو بابا کی کرسی کو دھکا نہ دیتے تو شیشے
کا ایش ٹرے اس کے سر پر لگتا ۔ ان کے دھکا دینے
کی وجہ سے ایش ٹرے دیوار سے لگا اور ٹوٹ گیا ــ ورنہ
رگو بابا کا انجام بھی وہی ہوتا جو ان تین کا ہوا ۔ اور
جب یہ ہوا تو قادری صاحب ہوٹل کے ہال میں موجود تھے ،
اس کی نیلی آنکھیں ہم نے صاف دیکھی تھیں ۔ جوں ہی اس کا
وار ناکام گیا ۔ وہ ہال سے باہر نکل گئے۔"

" تو کیا اس نے ایش ٹرے اٹھا کر رگو بابا کو مارا تھا ؟"

" نہیں ۔ جادو کے زور پر پھینک مارا تھا ۔ ایش ٹرے
خود بخود میز پر سے اٹھا تھا اور تیر کی طرح رگو بابا کی
طرف آیا تھا ۔"

"ن۔ نہیں۔ نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" انسپکٹر مشکور کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

★

"ہو کیوں نہیں سکتا۔ ہوٹل افشاں میں تینوں آدمی اسی طرح تو مارے گئے ہیں۔"

"اوہ۔ تب تو پروفیسر قادری کوئی شیطان صفت جادوگر ہے۔"

"ہاں! ایسا ہی ہے، لیکن یہ بات اب تک میں نہیں سمجھ سکا کہ اسے اس قدر قتل و غارت گری کی کیا ضرورت تھی۔ اس کا کام تو ویسے بھی چل رہا تھا۔ وہ ان تین آدمیوں کو باسط راہی کی طرح بے کار بھی تو کر سکتا تھا۔"

"اس طرح ہوٹل افشاں زیادہ بدنام نہ ہوتا۔" فرزانہ بولی۔

"نہیں۔ بلکہ اس طرح پروفیسر قادری زیادہ مشہور نہ ہوتا ان تین آدمیوں کی ہلاکت کے بعد اس کی شہرت میں کس قدر اضافہ ہو سکتا تھا۔ یہ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔"

"تو کیا۔ یہ سب اس نے شہرت حاصل کرنے کے لیے کیا تھا۔" انسپکٹر مشکور کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔ خیر۔ پہلے ہمیں اس کا سراغ لگانا ہے۔ یہ باتیں تو بعد میں بھی معلوم ہو سکتی ہیں۔"

ٹھیک دو گھنٹے بعد پروفیسر عاقل پہنچ گئے۔ یہ بہت سے پُر اسرار علوم کے ماہر تھے۔ محمود اور فاروق کو ان کے سامنے پیش کیا گیا۔ انھوں نے بغور ان کا معائنہ کیا اور بولے:

"ان پر ہپناٹزم کیا گیا ہے۔ جسے مسمریزم بھی کہتے ہیں، آدمی پر نیند طاری کر دی جاتی ہے، نیند کے عالم میں جو حکم دیا جاتا ہے۔ وہ وہی کرتا ہے۔"

"کیا آپ انھیں اصلی حالت پر لا سکتے ہیں؟"

"میں کوشش ضرور کر سکتا ہوں، لیکن اس طرح معاملہ بگڑ بھی سکتا ہے۔ اگر مجھ سے پہلے ہپناٹزم کرنے والا آدمی مجھ سے زیادہ ہپناٹزم کا ماہر ہوا، تب تو معاملہ خراب ہو جائے گا، ورنہ میں انھیں اصلی حالت پر لے آؤں گا، لیکن بہتر طریقہ یہ ہے کہ جس آدمی نے ان پر عمل کیا ہے، اسی سے یہ کام لیا جائے۔"

"لیکن وہ غائب ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اگر اس کے جلد ملنے کا امکان ہو تو انتظار کرنا بہتر ہوگا، ورنہ پھر میں کوشش کروں گا۔" پروفیسر عاقل بولے۔

"اچھی بات ہے۔ آپ آرام کریں۔ میں جائزہ لیتا ہوں، پروفیسر
قادری کہاں ہو سکتا ہے۔" انھوں نے کہا۔

وہ انسپکٹر مشکور اور فرزانہ کو لے کر سیٹھ جلوان کے
پاس آئے:

"مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ پروفیسر قادری نے تین
آدمیوں کو قتل کرنے کا منصوبہ اپنی شہرت کو ہوا دینے کے
لیے بنایا تھا۔ وہ قصبے میں یہ بات مشہور کرنا چاہتا تھا کہ دیکھو،
میں اس صفائی سے آدمی کو ختم کر دیتا ہوں کہ کسی کو کانوں
کان خبر نہیں ہوتی۔ اور قاتل کا سراغ بھی نہیں لگایا جا سکتا،
اس طرح شاید وہ پیشہ ور قاتل بننے کا خواب دیکھ رہا تھا۔
اس نے جو فون آپ کو کیا، اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے،
لیکن سوال صرف یہ ہے کہ اس کام کے لیے اس نے آپ کا
ہوٹل کیوں چنا۔ ضرور اس کے دل میں آپ کے خلاف کوئی
رنجش تھی۔ پروفیسر قادری نیلی آنکھوں والا آدمی ہے۔ ایسا
ایک آدمی آپ کے مقابلے میں ہوٹل خریدنے کا خواہش مند تھا،
لیکن آپ نے اس سے زیادہ قیمت لگائی اور اسے ناکامی کا منہ
دیکھنا پڑا۔ میں سوچ رہا ہوں، کہیں پروفیسر قادری وہ ہی
آدمی تو نہیں ہے۔"

"ضرور وہ ہی ہو گا، اسی لیے تو اس نے اپنے منصوبے

پر عمل کرنے کے لیے ہوٹل افشاں کو منتخب کیا۔" فرزانہ بولی۔

"سوال یہ ہے کہ ہم اس کا سراغ کس طرح لگائیں۔" انسپکٹر
مشکور بولا۔

"میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے۔" فرزانہ نے چٹکی بجاتے
ہوئے کہا۔

"چلو جلدی بتاؤ۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"جس طرح اس نے انتقاماً سیٹھ صاحب کا ہوٹل منتخب کیا، اسی
طرح جن تین آدمیوں کو ہلاک کیا، کیا خبر ان سے بھی اسے کوئی
دشمنی رہی ہو۔"

"اوہ۔ اس پہلو کی طرف تو ہم نے دھیان دیا ہی نہیں۔" انسپکٹر
جمشید پُر جوش لہجے میں بولے، پھر انسپکٹر مشکور کی طرف مڑے:

"ان تینوں آدمیوں کا ریکارڈ تو آپ کے پاس ہو گا۔"

"جی ہاں، کیوں نہیں۔ ہم نے ان تینوں کو چیک کیا ہے۔
کسی سے کوئی دشمنی معلوم نہیں ہو سکی۔"

"آئیے۔ ذرا ان کے گھروں سے ہو آئیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

وہ پہلے مقتول کے گھر پہنچے۔ مقتول کا بھائی گھر میں موجود
تھا۔

"ہم آپ کے بھائی کے بارے میں کچھ گفتگو کرنے آئے
ہیں۔"

"اس سلسلے میں تو ہم پہلے ہی سب کچھ بتا چکے ہیں۔"

"صرف ایک بات اور۔ اور وہ یہ کہ کبھی آپ لوگوں سے کوئی نیلی آنکھوں والا شخص ملنے آیا تھا؟"

"نیلی آنکھوں والا۔ ہاں کیوں۔ کیا بات ہے۔" اس کے لہجے میں حیرت در آئی۔

"تو کوئی نیلی آنکھوں والا شخص آپ لوگوں سے ملا تھا؟"

"ہم سے نہیں۔ بھائی جان سے۔ ہاں ڈرائنگ روم میں چائے لے کر میں گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد بھائی جان نے بتایا تھا کہ یہ شخص ایک عجیب سی پیش کش لے کر آیا تھا۔ اسے ایک کوٹھی یا مکان کی ضرورت ہے۔ وہ چاہتا تھا، ہم اپنا مکان اس کے ہاتھ فروخت کر دیں۔ وہ بھی اس کی لگائی ہوئی قیمت پر۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر ہم نے مکان اس کے ہاتھ فروخت نہ کیا تو ہم نقصان میں رہیں گے۔ بھائی جان نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا؛ تاہم وہ جاتے وقت اپنا نام پتا دے گیا تھا اور کہہ گیا تھا کہ اگر اس کے جانے کے بعد ہمارا پروگرام مکان کو فروخت کرنے کا بن جائے تو اسے اطلاع دے دی جائے۔"

"اوہ۔ کیا اس کا نام اور پتا اب تک آپ کے پاس موجود ہو گا؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میرے پاس نہیں۔ بھائی جان ایسی چیزوں کو ضرور سنبھال کر رکھنے کے عادی تھے۔ انھوں نے ضرور اپنی نوٹ بک میں اس کا نام اور پتا لکھا ہو گا۔ یا وہ کاغذ کہیں رکھ چھوڑا ہو گا جو وہ شخص دے گیا تھا۔"

"اوہ۔ تو وہ نام پتے کا کاغذ بھی دے گیا تھا۔"

"ہاں! مجھے اچھی طرح یاد ہے۔"

"تب تو آپ اس کاغذ کو تلاش کر دیں، ہمارا مسئلہ تو حل ہو گا ہی۔ آپ کے بھائی کا قاتل بھی پکڑا جائے گا۔"

"میں کوشش کرتا ہوں، لیکن اس میں کچھ دیر لگ جائے گی۔"

"کوئی بات نہیں۔ ہم انتظار کر لیتے ہیں۔"

وہ اندر چلا گیا۔

"اُف۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ قاتل کو پکڑنے کا ایک پہلو یہ بھی ہو سکتا ہے۔" انسپکٹر مشکور بولا۔

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے۔ وہ اب وہاں نہ رہتا ہو۔"

"لیکن یہ اطلاع بھی کچھ کم کامیابی نہیں۔" انسپکٹر مشکور نے کہا۔

پندرہ منٹ بعد مقتول کا بھائی اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر جوش اور ہاتھ میں کاغذ کا ایک پرزہ تھا:

"لیجیے جناب ۔ کاغذ مل گیا۔"

"بھئی واہ ۔ مزا آ گیا۔" انسپکٹر جمشید بولے اور پُرزہ اس کے ہاتھ سے لے لیا ، اس پر یہ نام اور پتا لکھا تھا ۔ امیر کامل ، بکر منڈی مکان نمبر ۱۰۹ ۔

وہ فوراً بکر منڈی کی طرف روانہ ہو گئے ۔ مکان نمبر ۱۰۹ تلاش کرنے میں انہیں کافی وقت ہوئی ۔ یہ ایک غریب آبادی تھی ۔ فرزانہ نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی ۔ ایک منٹ بعد دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر آدمی نظر آیا ۔ اس کا چہرہ ڈاڑھی مونچھوں سے بے نیاز تھا ۔ آنکھیں سیاہ تھیں ۔ سیاہ آنکھیں دیکھ کر فرزانہ کا منہ لٹک گیا ۔

"امیر کامل صاحب آپ ہی ہیں ؟"

"ہاں!" اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"کچھ عرصہ پہلے آپ کوئی مکان خریدنے کی کوشش کرتے رہے ہیں ؟"

"مکان ۔ نہیں تو ۔ میں تو غریب آدمی ہوں ۔ میں بھلا مکان کہاں خرید سکتا ہوں ۔"

"یہ چٹ ملاحظہ فرمائیں ۔" انسپکٹر جمشید نے کاغذ اس کے سامنے کر دیا ۔

اس نے کاغذ لے لیا ، اسے پڑھا اور بولا :

"بے شک یہ میرا ہی نام پتا ہے ۔ تو پھر اس سے کیا ہوتا ہے ۔"

"یہ چٹ آپ نے ایک شخص کو دی تھی ۔ آپ اس کا مکان خریدنا چاہتے تھے ، لیکن وہ اس قیمت پر مکان فروخت کرنے پر آمادہ نہیں تھا جو آپ اسے دے رہے تھے ۔ آپ نے اپنا نام پتا لکھ کر دے دیا کہ اگر اس کا پروگرام بن جائے تو اطلاع دے دے ۔ آپ کو کچھ یاد آیا ۔"

"جی نہیں ۔ ابھی تک نہیں ۔" اس نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"کیا آپ کچھ عرصہ پہلے کوئی مکان ، کوٹھی یا عمارت خریدنے کی کوشش نہیں کرتے رہے ؟"

"جی نہیں ۔" اس نے کہا۔

"کیا یہ تحریر آپ کے ہاتھ کی نہیں ہے ؟" انسپکٹر جمشید کو اس پر غصہ آنے لگا ۔

"جی نہیں ۔" اس نے پھر کہا ۔

"آپ کا کہنا یہ ہے کہ یہ تحریر آپ کے ہاتھ کی نہیں ہے ۔"

"بالکل نہیں ۔"

"تو پھر مہربانی فرما کر اپنے ہاتھ سے تحریر لکھ کر دے دیں ، تاکہ ملا کر دیکھا جا سکے ۔"

"لیکن میں ایسا کیوں کروں ۔ میں نے کیا کیا ہے ۔" اس نے

بھنا کر کہا۔

" مجبوری ہے جناب ۔ تحریر لکھ کر دینا ہی ہو گی ۔ یہ قتل کا معاملہ ہے ۔"

" کیا کہا ۔ قتل کا ۔ ارے باپ رے ۔" وہ تھر تھر کانپنے لگا۔

" ہاں ۔ اب آپ کیا کہتے ہیں ، اگر آپ تحریر نہیں دیں گے تو ہم آپ کو پولیس اسٹیشن لے چلیں گے اور وہاں آپ سے تحریر لکھوا لی جائے گی ۔"

" نن ۔ نہیں ۔ نہیں ۔ آئیے ۔ اندر آ جائیے ۔ ضرور آپ لوگوں کو غلط فہمی ہو گئی ہے ۔ میرا بھلا قتل سے کیا تعلق ۔"

" خیر خیر ۔ آپ تحریر تو دیں ۔"

وہ اندر آ گئے ۔ مکان صرف دو کمروں کا تھا ، ایک میں اس نے انہیں بٹھایا ۔ اور قلم کاغذ لے کر ان کے سامنے تحریر لکھ دی ۔ انھوں نے تحریر ملا کر دیکھی اور ایک بار پھر انھیں مایوسی کا سامنا کرنا پڑا ، کیوں کہ دونوں تحریروں میں زمین آسمان کا فرق تھا ۔

" یہ تحریر تو واقعی آپ کی نہیں ، لیکن پھر نام پتا آپ کا کیوں ہے ۔"

" کسی نے شرارت کی ہو گی ۔ میں بھلا کیا کہہ سکتا ہوں ۔"

" ہوں ٹھیک ہے ۔ آؤ بھئی چلیں ۔"

" اس شخص کا حلیہ آپ کو نہیں بتایا گیا ۔" امیر کامل نے ان کے اٹھنے کے بعد پوچھا ۔

" ہاں بتایا گیا ہے ۔" فرزانہ بولی ۔

" کیا وہ حلیہ میرے حلیے پر فٹ بیٹھتا ہے ۔"

" نہیں ۔ اس شخص کی آنکھیں بالکل نیلی ہیں ۔"

" تب تو آپ کو تحریر لکھوانے کی بھی ضرورت نہیں تھی ۔" اس نے بُرا سا مُنہ بنایا ۔

" چلیے خیر ۔ اب تو لکھوا چکے ۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے ، پھر چونک کر بولے :

" آپ کام کیا کرتے ہیں ؟"

" میں تعویذ گنڈے کا کام کرتا ہوں ۔"

" تعویذ گنڈے کا کام ۔ کیا مطلب ۔ یہ کون سا کام ہوا ۔"

" لوگوں کو تعویذ وغیرہ لکھ کر دیتا ہوں ۔ جو بیماریوں سے ان کا بچاؤ کرتے ہیں ۔"

" کیا آپ عالم ہیں ؟"

" نہیں ۔ تعویذ لکھ کر دینے کے لیے عالم ہونا ضروری نہیں ۔"

" وہ کیسے ۔ میں نے تو سُنا ہے ۔ یہ عالموں کا کام ہے ۔ تعویذوں پر اللہ کا کلام لکھا جاتا ہے ۔" انسپکٹر جمشید بولے ۔

" تعویذ لکھنا بھی ایک فن ہے ۔ اس علم پر الگ کتابیں ہیں ،

بس ان کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے اور ان میں مہارت حاصل
کر لینا ضروری ہے۔"

" تو آپ تعویذ کی قیمت وصول کرتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید
نے بُرا سا منہ بنایا۔

" ہاں ! میری گزر اوقات اسی طرح ہوتی ہے۔"

" جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے۔ تعویذ وغیرہ کا کوئی
پیسہ نہیں لینا چاہیے۔ ورنہ اس تعویذ کا کوئی اثر نہیں رہ
جاتا۔ بہرحال یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے۔ آؤ بھئی چلیں۔"

وہ باہر نکل آئے ، فرزانہ کا چہرہ لٹکا ہوا تھا :

" کیوں۔ خیر تو ہے۔"

" یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔ میں تو سمجھی تھی۔ مُجرم مل گیا۔"

" مایوسی گناہ ہے۔ فکر نہ کرو۔" انھوں نے کہا اور چلتے
چلتے رک گئے۔ انھوں نے ایک دروازے پر دستک دی۔ فوراً
ہی ایک ادھیڑ عمر آدمی باہر نکلا :

" آپ امیر کامل کو جانتے ہیں۔"

" جی ہاں ، کیوں نہیں۔ آخر کو وہ ہمارا پڑوسی ہے۔"

" سُنا ہے ، یہ شخص تعویذ گنڈے کا کام کرتا ہے۔"

" جی ہاں۔ بالکل کرتا ہے۔ کیا آپ کو تعویذ لینا ہے ؟"

" جی نہیں۔ یہ کب سے یہاں رہ رہا ہے ؟"

" ایک عرصے سے۔"

" کیا درمیان میں ایک آدھ سال کے لیے غائب بھی ہوا ہے۔"

" جی نہیں تو۔ ہاں ہفتے میں دو چار دن کے لیے ضرور
کہیں جاتا ہے۔ شاید اِدھر اُدھر تعویذ وغیرہ فروخت کرنے
کے لیے۔"

" بہت بہت شکریہ۔ ہم نے آپ کو زحمت دی۔"

" ہاں بھئی۔ اب کیا خیال ہے۔" چند قدم آگے بڑھ جانے
کے بعد انسپکٹر جمشید بولے۔

" ابّا جان ! کیا کوئی ایسی دوا نہیں ہو سکتی۔ جو وقتی طور پر
آنکھوں کی رنگت تبدیل کر دے۔"

" دواؤں کے ماہر سے معلوم کرنا ہوگا۔"

" تو پھر جلدی کیجیے۔ کہیں ہم دھوکا نہ کھا جائیں۔"

" تب پھر آپ دونوں یہیں ٹھہریے۔ میں فون کے ذریعے
معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ امیر کامل کے گھر پر بدستور
نظر رکھیں۔"

" ٹھیک ہے۔ ہم یہی کریں گے۔"

انسپکٹر جمشید تیز تیز قدم اٹھاتے چلے گئے۔ جلد ہی ان کی
واپسی ہوئی۔ ان کے چہرے پر جوش کی حالت طاری تھی :

" آئیے۔ ایک دوا ایسی ایجاد ہو چکی ہے۔ جو آنکھوں کی

رنگت وقتی طور پر تبدیل کر دیتی ہے۔"

وہ ایک بار پھر امیر کامل کے دروازے پر پہنچے۔ فرزانہ نے دستک دی۔ دروازہ کھلا اور امیر کامل کی حیرت زدہ آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی:

"آپ پھر آگئے۔"

"ہاں! ہمیں آپ سے ایک تعویذ لینا ہے۔"

"ابھی ابھی تو آپ کہہ رہے تھے جو تعویذ لکھنے والا معاوضہ لے، اس کا تعویذ اثر نہیں کر سکتا۔" اس نے منہ بنایا۔

"ہاں! میں یہی تجربہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کا تعویذ اثر کرتا ہے یا نہیں۔"

"اندر آجائیے۔"

وہ اس کے ساتھ اندر آئے۔

"آپ لوگ سامنے بیٹھ جائیے۔ میں تعویذ آپ کے سامنے بیٹھ کر لکھوں گا۔ آپ میری طرف دیکھیے۔ اور بتائیے کہ کس بیماری کے لیے تعویذ لینا ہے۔"

فرزانہ اور انسپکٹر مشکور نے اس کی طرف دیکھا۔ جوں ہی نظروں سے نظریں ملیں۔ ان دونوں کو ایک جھٹکا سا لگا۔ ذہن نیند میں ڈوبتے محسوس ہوئے۔ عین اسی وقت انسپکٹر جمشید نے اپنا ہاتھ آگے کر دیا۔ اور بولے:

"ان سے نہیں پروفیسر قادری۔ مجھ سے آنکھیں چار کرو۔ اپنا عمل مجھ پر آزماؤ۔"

وہ بُری طرح اُچھلا۔ آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔

"پروفیسر قادری۔"

"ہاں! مجھ پر ہپناٹزم کرو۔ اپنی طاقت مجھ پر آزماؤ۔"

اس نے اپنی آنکھیں ان کی آنکھوں میں ڈال دیں۔ چند سیکنڈ تک وہ ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے، پھر امیر کامل بولا:

"نہیں۔ میں آپ کو اثر میں نہیں لے سکتا۔"

"تو پھر خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دو۔ تھوڑی دیر بعد اگر تمھاری آنکھیں نیلی نہ ہوگئیں تو ہم تمھیں باعزت رہا کر دیں گے۔"

پروفیسر قادری یا امیر کامل کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا۔ انسپکٹر مشکور نے اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں۔ وہ پولیس اسٹیشن پہنچے۔ پروفیسر عاقل کا امیر کامل سے سامنا ہوا۔ دونوں کی نظریں ٹکرائیں۔ اور پھر پروفیسر عاقل بول اُٹھے:

"اُف اللہ۔ یہ۔ یہ مجھ سے بہت زیادہ طاقت ور ہے۔ یہ خود ہی محمود اور فاروق کو اصلی حالت پر لا سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے اور اس کی طرف مڑے:

"پروفیسر قادری — اب تم بچ تو سکو گے نہیں ، لیکن اگر تم نے ہماری ہدایات پر عمل نہ کیا تو موت بہت مشکل ہو جائے گی — تمھارے لیے بہتر یہی ہے کہ محمود اور فاروق کو اصلی حالت پر لے آؤ۔"

"اچھی بات ہے — انھیں میرے سامنے لاؤ۔"

محمود اور فاروق کو اس کے سامنے لایا گیا — اس نے ان پر پھر نیند طاری کر دی — اور پھر ان کے ذہنوں سے وہ باتیں صاف کر دیں — جو بٹھائی تھیں —

"اور اب ذرا یہ بھی بتا دو کہ تم نے یہ چکر کیوں چلایا تھا، کیا صرف شہرت حاصل کرنے کے لیے — تاکہ دولت کے انبار جمع کر سکو —"

"ہاں ! دراصل میں نے ہپناٹزم میں بہت مہارت حاصل کر لی تھی ، پھر ایک روز میری آنکھوں میں اس قدر طاقت پیدا ہو گئی کہ گھر کی چیزیں ان سے اِدھر اُدھر کرنے لگا — اب میں نے سوچا کہ اس طاقت سے میں بہت کام لے سکتا ہوں ، لیکن اس کے لیے میرے پاس ایک اچھا سا مکان یا کوٹھی ہونی چاہیے ؛ چنانچہ میں نے مکان یا کوٹھی خریدنے کی کوشش شروع کر دی — اس وقت میرے پاس زیادہ پیسے نہیں تھے — جو لوگ ان دنوں اپنے مکان فروخت کر رہے تھے ، ان سے

ملا ، لیکن انھوں نے کم قیمت پر مکان فروخت نہ کیے — آخر ایک آدمی میری دھمکی میں آ گیا اور اس نے اپنی کوٹھی میرے ہاتھ بیچ دی — میں نے ان ہی دنوں سیٹھ بعلوان کو بھی مجبور کیا تھا کہ وہ ہوٹل نہ خریدیں بلکہ مجھے خریدنے دیں — دراصل یہ شہرت حاصل کرنے کے منصوبے کی پہلی کڑی تھی — پروگرام یہ تھا کہ اس کے انکار کو اڑ بنا کر اس کے ہوٹل سے وارادت شروع کروں گا — اور ان لوگوں کو اس کے ہوٹل میں ختم کروں گا — جنھوں نے اپنے مکان میرے ہاتھوں فروخت نہیں کیے تھے ۔"

"ہوں ! یہ اندازے ہم پہلے ہی لگا چکے ہیں — بس تمھارے منہ سے اگلوانے کا کام باقی تھا — جب تم نے محسوس کیا کہ میں تمھارے پیچھے لگ گیا ہوں اور تمھارا کام خراب کر کے چھوڑوں گا تو تم نے ہمارا تعاقب شروع کروا دیا اور ہمیں اُلجھاتے چلے گئے ، پھر محمود اور فاروق پر ہپناٹزم کر دیا — اور اس میں بھی ناکام رہے تو وہاں سے بھاگ کر اپنے پرانے ٹھکانے پر آ گئے ، اپنے پُرانے حلیے میں — کیوں ٹھیک ہے نا ۔"

"ہاں ! میں آپ کو دیکھ کر بہت بدحواس ہو گیا تھا — آپ کے بارے میں شروع دن سے خوف زدہ تھا کہ کہیں آپ یہاں اس قصبے میں آ کر میری طرف متوجہ نہ ہو جائیں ۔"

"اور اللہ نے مجھے ادھر متوجہ کر دیا، ابھی وکیل صاحب کو بھی اصلی حالت پر لانا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

اسی وقت محمود اور فاروق نے آنکھیں کھول دیں۔ محمود نے چونک کر کہا:

"ہائیں۔ یہ مجھے نیند کیوں آ گئی تھی۔ میں کہاں ہوں؟"

"ہم وہاں ہیں۔ جہاں سے ہم کو بھی کچھ اپنی خبر نہیں آتی۔" فاروق گنگنا اٹھا۔

"حیرت ہے۔ تم وہاں کس طرح پہنچ گئے۔" فرزانہ بول اٹھی۔

انسپکٹر مشکور کی ہنسی نکل گئی۔ انسپکٹر جمشید مسکرانے لگے اور فاروق کا منہ بن گیا۔

بَدنصیب ہوٹل کا انعامی سوال

سوال: پروفیسر قادری نے کمرے سے نکلتے وقت گھڑی پر نظر کیوں ڈالی تھی؟

- ۲۵۰/- روپے کا نقد انعام پانچ برابر حصّوں میں تقسیم کیا جائے گا۔
- انعام بذریعہ قرعہ اندازی دیا جائے گا۔
- قرعہ اندازی موصول ہونے والے تمام درست جوابات میں کی جائے گی۔
- اپنا جواب بالکل الگ کاغذ پر لکھیں، اس کاغذ پر صرف اپنا نام اور پتا لکھیں۔ اور کچھ نہ لکھیں۔
- کم از کم کاپی سائز کا غذ استعمال کریں۔
- چھوٹے کاغذ قرعہ اندازی میں شامل نہیں کیے جاتے۔
- جوابات ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ تک وصول کیے جاتے ہیں۔

(ادارہ)

مکمّل جھلک

چودھواں خاص نمبر

بیگال مشن

مصنف: اشتیاق احمد

- ۵۰۰۰/- روپے کا نقد انعام —
- انعامی مقابلے میں کسی کو نا انصافی کی شکایت نہیں رہے گی —
- اس بار پنیں نہیں اکھڑیں گی اور نہ کاغذ الگ الگ ہوں گے، کیوں کہ سلائی کرائی جائے گی —
- ناول ٹھیک ۲۰ر دسمبر کو بک سٹالوں پر موجود ہو گا — ان شاء اللہ تعالیٰ —
- آپ یہ ناول براہِ راست ہم سے بھی منگوا سکتے ہیں —

پہلی فرصت میں ۲۷/۵۰ روپے منی آرڈر کر دیں —

- یا پھر بُک سٹالوں پر قیمت جمع کروا دیں۔ کہیں آپ ہاتھ ملتے اور دُوسروں کو حسرت سے دیکھتے نہ رہ جائیں —
- اس مرتبہ آپ کے محبوب کردار، تینوں پارٹیاں ایک ساتھ جمع ہو رہی ہیں —
- ان کی ملاقات کن حالات میں ہوئی۔ آپ ضرور جاننے کے لیے بے چین ہوں گے —
- تینوں بیگمات بھی ایک جگہ۔ اور جب وُہ ایک جگہ جمع ہوئیں تو ان کی گفتگو —
- ادھر تین بین الاقوامی مجرم ان کے راستے میں تھے —
- ہر قدم پر ان سے مقابلہ —
- بیگال مشن جانے کے تمام راستے بند تھے —
- اور انھیں بیگال کے ایٹمی پلانٹ کو تباہ کرنا تھا —
- اگرچہ انسپکٹر جمشید پر حکومت کی طرف سے پابندی تھی کہ وُہ بیگال کے پلانٹ کو تباہ نہیں کریں گے —
- کیوں کہ بیگال کے دوست ملکوں نے اپنی فوجیں ان کے ملک کی سرحد پر لا کھڑی کی تھیں اور زبردست دھمکی دی تھی —
- ان حالات میں وُہ کیا کر سکتے تھے، انھوں نے کیا کیا —

- اس طویل سفر میں ان پر کیا کیا بیتی ـــ
- خان رحمان ، منور علی خان اور پروفیسر داؤد نے ان کا ساتھ کس کس انداز سے دیا ـــ
- اپنے ہر پسندیدہ کردار کا کام آپ کے خون کی گردش کو بڑھا دے گا ـــ
- ہر موڑ پر آپ کے تجسس میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا ـــ
- ریڈنا ، شیلاک اور رونل سے ملیے ـــ پوری تیاریوں پر نظر آئیں گے ـــ
- وہ لمحہ جب فاروق کو موت کے سفر پر روانہ کیا گیا ـــ
- اور موت کا یہ سفر فاروق کو کہاں لے گیا ـــ
- سیکڑوں فٹ کی بلندی پر ایک پُر ہول لڑائی ـــ
- ایٹمی پلانٹ میں ایک عجیب شرط ـــ
- اور پھر ایک حیرت انگیز لمحہ ـــ جس نے ان سب کو چکرا کر رکھ دیا ـــ
- اَن گنت دلچسپیاں ـــ اَن گنت باتوں کے دنگل ـــ محاورات کے پیچ اور نوک جھوک کے مقابلے ـــ آپ کو اَن گنت مسکراہٹیں دے جائیں ـــ

قیمت : تیس روپے

متفرق سلسلہ ۲۲

خطوط کی عدالت ۸۵
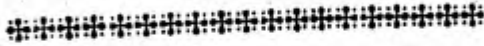
- لیجیے ـ انتظار کی گھڑیاں ختم ہو گئیں ـــ
- خاص نمبر بیگال مشن کے ساتھ خطوط کی عدالت ۸۵ پڑھیے ـــ
- آپ کے رنگا رنگ خطوط کا مرقع ـــ
- اب آپ کو یہ شکایت نہیں رہے گی کہ آپ کا خط آج تک شائع نہیں ہوا ـــ
- صرف خطوط ہی نہیں ـ ادارے میں کام کرنے والے افراد کا تعارف بھی ـــ
- کتاب محدود تعداد میں شائع کی جائے گی ـ بہتر ہوگا ، بُک سٹالوں پر آرڈر نوٹ کروا دیں ـــ

قیمت : چھے روپے

مشہور و معروف مصنف اشتیاق احمد کے سنسنی خیز، ہنگامہ آرا، مزاح اور
جاسوسی سے بھرپور
ماہ اگست ستمبر کے
ناول —
۳۹ کالا طوفان انسپکٹر جمشید سیریز ۵/۵۰
۴۰ اندھی قید " " ۵/۵۰
۴۱ مشینی مخلوق " " ۵/۵۰
۴۲ زلزلے کا فرار " " ۵/۵۰
۸ پراسرار مجرم انسپکٹر کامران مرزا سیریز ۵/۵۰
۹ خونی دھماکے " " ۵/۵۰
۷ وہی کارواں وہی راستے بڑوں کے لیے ۱۰/۰
۸ جنت میں قبر " " ۷/۵۰
مکتبہ اشتیاق، راجپوت مارکیٹ اردو بازار لاہور